فہرست مضمون نگاران معارف

جلد ۳۱ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء تا جون سنہ ۱۹۳۳ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱۵	جناب غلام احمد صاحب پرویز، نئی دہلی	۵	۳	اثر صہبائی - جناب عبد السمیع صاحب پال اثر صہبائی، ایم اے، ال ال بی وکیل سیالکوٹ۔	۲۳۶-۲۶۴
۱۶	جناب محمد غوث صاحب (عثمانیہ) حیدرآباد دکن۔	۲۲۶، ۳۹۷			
۱۷	جناب سید فرید جعفری، مچھلی شہری۔	۵۴	۴	افگر - جناب امداد حسین صاحب افگر [illegible]	۶۹
۱۸	مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین۔	۳۲۵، ۴۰۵	۵	اسد - جناب اسد ملتانی بی اے،	۲۳۵
			۶	امجد - حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی	۲۴۱
۱۹	جناب نبی احمد خاں صاحب شاد، رجسٹرار کتب خانہ رامپور	۴۵۶	۷	تپش - جناب شیخ عبد اللطیف صاحب تپش ایم اے لکچرار گورنمنٹ کالج،	۶۸
۲۰	[illegible] نصیر الدین صاحب ہاشمی حیدرآباد دکن،	۴۴۹	۸	جگر - حضرت جگر مرادآبادی،	۳۱۲، ۳۹۶، ۴۵۵
			۹	جلیل - جناب جلیل قدوائی، بی اے،	۳۱۴
	شعراء		۱۰	سہیل - جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ال ال بی،	۳۱۳
۱	اثر - جناب سید حامد حسین صاحب اثر بی اے علیگ،	۴۷۶	۱۱	نجم - جناب سید شاہ نجم الدین احمد نجم آکاکوی،	۱۴۴
۲	اثر - جناب ولایت حسین خاں صاحب اثر رامپوری،	۶۸			

فہرست مضامین

جلد ۳ جنوری ۱۹۳۳ء تا جون ۱۹۳۳ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

نمبر شمار	عنوان مضامین	صفحہ	نمبر شمار	عنوان مضامین
۲	ایران کے بینک	۶۱	۴	خونِ جگر،
۳	ترکی اور مصر مین تعلیم جدید کی تحریک،	۲۲۴	۵	"راحت کدہ"
۴	جدید ترکی زبان مین ایک جدید "تاریخ عالم"	۴۶۷	۶	رباعیاتِ اخگر،
۵	جنگ کی مخالفت مین آئنسٹائن کی جدوجہد	۳۰۶	۷	رنگِ حسرت،
۶	فرانسیسی شاعری اور اُسپر عربی ادب کے اثرات	۵۷	۸	سوالِ وفا،
۷	"فلسفۂ ہند اور حیاتِ ابدی"	۳۰۱	۹	معراج المومنین،
۸	قصۂ آدم و حوا کی اثری تائید،	۴۶۴	۱۰	نظامِ زندگی،
۹	مختصر نویسی کی مختصر تاریخ،	۲۲۸	۱۱	نیرنگِ اثر،
۱۰	وسط ایشیا مین اہم انکشافات	۳۸۱		**باب التقریظ والانتقاد**
۱۱	ہندوستان کا ایک نقش	۱۳۰	۱	تاریخ مبارک شاہی،
۱۲	یورپ کی قدیم ترین یونیورسٹی سالرنو	۳۸۵	۲	"فہرست عربی مخطوطات انڈیا آفس لائبریری"،
۱۳	اخبار علمیہ،	۶۴، ۱۳۷، ۲۳۱، ۳۰۸، ۳۰۹، ۴۷۱	۳	قرون وسطیٰ مین ہندوستانی تہذیب
	ادبیات			
۱	اخلاص نیاز	۱۴۴	۴	"نغمۂ دل"
۲	تابشِ سہیل،	۳۱۳	۵	نئے رسالے اور اخبار اور رسائل کے خاص نمبر
۳	ترانۂ شعراء	۲۳۵		**مطبوعات جدیدہ**

جلد ۳۱ | ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

عیسوی سال کے خاتمہ پر ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء کو عیسوی مذہب کے سب سے بڑے نقاد اور عیسوی ممالک مین [illegible]
کے مشہور مبلغ خواجہ کمال الدین نے افسوس ہے کہ وفات پائی، وہ کئی برس سے سل کے مرض مین مبتلا تھے، اور اس حالت [illegible]
بھی وہ تصنیف و تالیف مین ہمیشہ مصروف رہے، احمدی جماعت مین ہمارے نزدیک وہ عام مسلمانون سے [illegible]
زیادہ قریب تھے، اسی لئے اُنکے مشن کا بار اٹھانے مین عام مسلمان، اور امرا نے بھی شرکت کی تھی اور شاید یہ راز [illegible]
مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم اور مولنا شبلی مرحوم نے انکی امدادی تحریکون مین سب سے زیادہ دلچسپی لی، مولنا [illegible]
ایک فرقہ علماء کے بالمقابل نوجوان تعلیم یافتون مین سے خواجہ صاحب کے عزم تبلیغ کو سامنے رکھا [illegible]

کامل اس فرقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

گو ہم کو خواجہ صاحب کے بہت سے خیالات اور تاویلات سے اتفاق نہین، تاہم یہ کہنا [illegible]
نے ۱۹۱۲ء سے لیکر سنہ ۱۹۳۲ء تک اپنی پوری بیس برس کی زندگی اسلام کی تبلیغ، اور اس کے محاسن کی اشاعت اور [illegible]
مین اسلامی لٹریچر کی فراہمی مین صرف کی، اور نیز یہ کہ انکی تصنیفات کے بڑے حصہ کا موضوع "احمدیت" نہین "محمدیت" [illegible]
کہ انکی موت سے دنیا کی مذہبی بزم مین ایک اہم جگہ خالی ہو گئی، اللہ تعالیٰ انکے ان اعمالِ صالحہ کے صدقہ مین ان کو اپنی مغفرت [illegible]
سے نوازے، اور انکی لغزشون سے درگذر فرمائے،

[illegible] ناظرین کو معلوم ہو کہ ہماری سیرۃ النبی کی تین گذشتہ جلدون کا ترجمہ قسطنطنیہ مین ترکی زبان مین ہو چکا
[illegible] جناب نواب فخر یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن) جنکے پہلو مین اسلامی درد ہے، اور جو نہایت دیندار مسلمان ہین
[illegible] ترکی کی سیاحت [illegible] کر آئے ہین، اپنے ایک کرمت نامہ مین لکھتے ہین:-

"[illegible] مین کچھ عرصہ ہوا ترکی گیا تھا، اور باوجود اس کے کہ جن لوگون کے ہاتھ مین زمامِ حکومت ہے وہ اس سے
زیادہ تعلق نہین رکھتے، ایک بڑی جماعت ایسے لوگون کی ملی جو سیرۃ النبی مبارک کی بڑی مداح ہے، اور
اس کا جو ترجمہ ترکی مین [illegible] چکا ہے، اس کو وہ بہت شوق سے مطالعہ کرتے ہین، خود استنبول تو چونکہ
[illegible] زیادہ لوگ نہین ملے، لیکن بروصہ مین جو شاہانِ عثمانیہ کا فتحِ استنبول سے
پہلے قریب ڈیڑھ سو سال [illegible] دار الحکومت رہا ہے، بہت احباب کو سیرۃ النبی کا دلچسپی سے ذکر کرتے سنا،
خدا آپ کے مساعی جمیلہ کو بار آور کرے . . . .

[illegible] خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے، کہ اس نے دار المصنفین کے اس نیک عمل کو یہ عزت بخشی کہ اس کے ذریعہ سے ترکی [illegible]
[illegible] روز خدا جانے کیا کیا کہا جاتا ہے، محمد رسول اللہ صلعم کی محبت کا فیض پہنچایا، دل سے دعا ہے کہ وہ خداوندِ قلوب
[illegible] اور مسلمانون کے دلون کو اس محبت کی آبادی سے ہمیشہ معمور رکھے،

[illegible] تاریخ [illegible] دو پرچون مین جو تجویز پیش کی تھی، الحمد للہ کہ اُس نے ہر دلعزیزی حاصل کی، اور اکثر
[illegible] اسکی ضرورت کا اعتراف کیا، اکثر اردو اور بعض انگریزی اخبارات مین اس کا خیر مقدم کیا گیا، طلبہ کے حلقہ مین
[illegible] اس سے دلچسپی کا اظہار کیا گیا، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تجویز کتنی ضروری اور اہم ہے، اور عجیب اتفاق
[illegible] مین نواب احمد یار خان دولتانہ نے اسی قسم کی ایک تجویز پیش کی تھی، جو افسوس ہے کہ منظور نہ ہو سکی اس مجوزہ
[illegible] پورا خاکہ ہم آئندہ پیش کرینگے، جسمین جلدون کی تعداد، مباحث کا تعین، اور مصنفین کے نام لکھے جائین گے،

[illegible] ہندؤن کی ملکی زبان بنانے کی جو کوشش ملک مین ہو رہی ہے، وہ قابلِ قدر ہے، راجپوتانہ اور الور اور بالآخر

گجراتی بولی والی ریاست بڑودہ میں ہندی کو سرکاری زبان کا منصب مل رہا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اسکے ساتھ اردو

کو بھی زندہ رہنے دیا جائے، صوبہ متوسط کی تعلیمات سے سنا جا رہا ہے کہ اردو کو شہر بدر کیا جا رہا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو حقیقت

میں یہی وہ باتیں ہیں جو ہندوستان کی دو قوموں کو بار بار لڑنے پر آمادہ کرتی ہیں، مدراس کی رکشنا بھارت ہندو پرچار سبھا

کے جلسہ تقسیم انعامات منعقدہ ۲۰ دسمبر ۳۲ء میں میسور کے ڈاکٹر ہسٹری نے یہ بجا کہا ہے کہ "سنسکرت شمال و جنوب کی مادری

زبان تھی اور اردو اور ہندی اسکی دو بیٹیاں ہیں" لیکن ضرورت ہے کہ ان دونوں بہنوں کو باہم دست و گریبان ہونے سے بچایا جائے

ڈاکٹر صاحب نے اس جلسہ میں یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ اردو ہندی دونوں زبانوں کے ماہرین کا ایک متحدہ جلسہ حیدرآباد

میں منعقد کیا جائے تاکہ ان دونوں زبانوں کے درمیان اتحاد کی دقتوں کا حل سوچا جائے، ہم نے خود اسی قسم کی تجویز ہندوستانی

اکیڈیمی الٰہ آباد کے سامنے پیش کی تھی اب بھی ناگری پرچارنی سبھا بنارس کے ایک آیندہ شائع ہونے والے مجموعہ مضامین

اپنے نام کے مضمون میں پیش کی ہے، ضرورت ہے کہ دونوں زبانوں کے چند نیک دل اتحاد پسند اس مسئلہ کی اہمیت کیطرف توجہ فرمائیں

سنا جا رہا ہے کہ بنگال کے کچھ مسلمان اسپر مصر ہیں کہ اردو کو اپنے صوبہ کے دائرہ تعلیم میں داخل ہونے دیں، تاکہ

اتحاد میں فرق نہ آنے پائے، یہ خیال مبارک ہے مگر سوال یہ ہے کہ صوبہ کے ہندو اگر ہندی کو ملک کی عمومی زبان کی

صوبہ میں داخل ہونے کی اجازت دیدیں تو اس اتحاد میں فرق آجائیگا یا نہیں، اور اس وقت بنگال کے مسلمانوں کا اردو کی

نسبت طرز عمل کیا ہوگا؟

ہمکو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ بنگال، گجرات، مہاراشٹر، مدراس وغیرہ مختلف صوبوں کے مسلمان بچوں کو اپنے صوبہ کی

کے سیکھنے کے ساتھ ساتھ ایک نئی زبان اردو سیکھنے کی مشکل بھی پیش آتی ہے، جو ہندو بچوں کو پیش نہیں آتی لیکن اس تھوڑی

سی دقت اٹھانے کا فائدہ یہ کیا کم ہے کہ آج اردو میں لکھی ہوئی ہر کتاب ہندوستان کے ہر صوبہ کے اکثر مسلمان پڑھ لیتے

ہیں اور ایک اردو اخبار پورے ملک کے مسلمانوں کو بیدار اور ہشیار رکھنے میں کامیاب ہے، اور ہندوستان کے ہر صوبہ کے

دوسری قوم اس ملک گیری کیلئے انگریزی کا سہارا لینے پر ہر قدم پہ مجبور ہے، اسکے علاوہ اب تو ہر صوبہ کے

حیثیت سے قبول کرنے جاتے ہیں اس طرح ایک نئی زبان کا بار صوبوں کی دونوں قوموں پر آیندہ شاید برابر ہوگا،

مقالات

ترجمانُ القرآن وتفسیر حضرت مولینا ابوالکلام آزاد

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز (نئی دہلی)

جناب غلام احمد صاحب پرویز کو، مولینا ابو الکلام آزاد کی تالیف و ترجمہ ترجمان القرآن کے مطالعہ سے

چند شبہات پیدا ہوئے ہیں جنھیں انھوں نے قلمبند کرکے رفع شکوک کیلئے اشاعت کی غرض سے بھیجا ہے، اگرچہ ان میں سے بعض

شبہات کی بنا بعض غلط فہمیوں پر بھی ہے تاہم وہ نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، ہم ان شبہات و شکوک

پر کسی آیندہ موقع پر ایک نظر ڈالیں گے،

سید ریاست علی ندوی سب اڈیٹر

خوش قسمتی سے میں بھی اُن لوگوں میں سے ہوں جنھیں ایک عرصہ سے حضرت مولینا ابو الکلام آزاد مدظلہ کے ترجمہ

تفسیر قرآن کریم کا ایک "مہدی موعود" کیطرح انتظار تھا، بارے الحمد کہ ایک مدت کے مد و جزر کے بعد یہ گوہر تابناک بحر العلوم کی

گہرائیوں سے ابھر کر سطح آب پر آیا، اور اسی سال ترجمان القرآن کی پہلی جلد طبع ہو کر منتظرین کے لئے وجہ سکون ہوئی، ترجمہ قرآن

کے متعلق کچھ بھی عرض کرنا گویا آفتاب کو آئینہ دکھانا ہے، ایک تو خود قرآن کریم کا معجزانہ انداز کلام اس پر حضرت مولینا کا ساحرانہ

اسلوب بیان، بیساختہ غالب کا یہ شعر یاد آجاتا ہے،

ذکر اوس پری رخ کا اور پھر بیاں اپنا ۔۔۔ بن گیا رقیب آخر، جو تھا رازداں اپنا

ترجمان القرآن کے شروع میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر پونے دو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، جس کا حرف حرف

ترجمان القرآن کی طرح حضرت مولینا کے تبحر علمی کا آئینہ دار ہے، اور بلا شائبہ تشکیک کہا جا سکتا ہے کہ اس سلسلہ

یہ اپنی نوعیت کی یہ پہلی چیز ہے، کوئی تبصرہ نگار اس کے متعلق سوائے اسکے اور کیا کہہ سکتا ہے، کہ

خاموش از ثنائے تو حد ثنائے تو،

اس عاجز نے بھی کئی مرتبہ اس تفسیر کو پڑھا، اور ہر بار نئے نئے نکات نادرہ کا انکشاف ہوا، لیکن اس میں دو
ایک مقام ایسے نظر پڑے جنمیں اعتقادی طور پر کچھ شبہہ معلوم ہوا اور غور و تفحص کے باوجود ان کا حل نہیں مل سکا،
میں منتظر تھا کہ کوئی صاحب علم ہستی اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالے تو شاید میرا عقدہ بھی ضمناً ہی حل ہو جائے، لیکن
یہ انتظار اس وقت تک بے سود رہا، اور کسی طرف سے اس کے متعلق کوئی آواز سنائی نہ دی، ہر چند میری یہ کیفیت
کہ حضرت مولینا کے مقابلہ میں :-

بچشم بروئے او کشا باز بخویشتن نگر

کا مضمون ہے، لیکن اس خیال سے کہ ان شکوک کو زیادہ عرصہ کے لئے سینہ میں تھامے رکھنا اونھیں اور
پختگی دیتا جائے گا، مجبوراً جسارت پذیر ہو رہا ہوں، کہ معترضانہ نہیں بلکہ سائلانہ حیثیت سے ان شبہات کو ارباب
علم و ذوق کے سامنے پیش کر دوں، کہ شاید خود حضرت مولانا یا کسی اور صاحب کی توجہ میرے لئے طمانیت قلب
کا باعث ہو سکے۔

(۱)

تفسیر میں "ایمان باللہ" کے متعلق حضرت مولینا نے نہایت شرح و بسط سے بحث کی ہے، جس کا ملخص یہ ہے
کہ خدا کی ہستی کا اعتقاد ذہن انسانی کی پیداوار نہیں، بلکہ یہ اوسکی فطرت کا وجدانی احساس ہے، البتہ جس چیز کی تخلیق
ذہن انسانی کی رہین منت ہے، وہ تصور صفات باری تعالیٰ ہے اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نوع انسانی کے
تصورات الوہیت میں مادی تصورات کی طرح ایک طرح کا تدریجی ارتقائی سلسلہ جاری ہے،

یہاں تک تو صاف ہے، اور یہی امر وحی و نبوت کی ضرورت پر دلیل قاطع ہے کہ چونکہ ذہن انسانی تنہا
عقل و فکر کے آسرے پر تصور صفات میں غلطی سے مبرا نہیں ہو سکتا تھا اس لئے ماورائے سرحد ادراک کسی ایسی روشنی

کی ضرورت تھی، جو خارجی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر صحیح صحیح تصور الوہیت بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرے،
یہی وہ روشنی ہے، جسے مامورین من اللہ بہ تقاضائے ضرورت وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ لے کر مبعوث ہوئے اور جب بھی
کسی قوم نے اس پیش فرمودہ تصور میں غلطی کی، اس پیغام کی تجدید کے لئے ایک اور رضا دتشریف لے آیا، لیکن اس سے آگے
جو کچھ حضرت مولینا نے فرمایا ہے، وہ غور طلب ہے، وہ فرماتے ہیں :-

"بہرحال انسان کے تمام تصورات کی طرح صفات الٰہی کا تصور بھی اس کی ذہنی و معنوی ترقی کے ساتھ
ساتھ ترقی کرتا رہا ہے، انبیائے کرام (علیہم السلام) کی دعوت کی ایک بنیادی اصل یہ رہی ہے، کہ اونھوں نے ہمیشہ خدا
پرستی کی تعلیم ویسی ہی شکل و اسلوب میں دی جیسی شکل و اسلوب کے فہم و تحمل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہو گئی
تھی، وہ مجمع انسانی کے معلم و مربی تھے، معلم کا فرض ہے کہ متعلمین میں جس درجہ کی استعداد پائی جائے اسی
درجہ کا سبق دے، پس انبیائے کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفات کیلئے جو پیرایہ تعلیم اختیار کیا وہ اس سلسلۂ
ارتقاء سے باہر نہ تھا، بلکہ اسی کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے" (ترجمان صفحہ ۱۰۵)

اس شکل کے دو مختلف گوشے ہیں، ایک تو یہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے صفات باری تعالیٰ کے متعلق ایک ہی
تصور ہر زمانے میں پیش کیا، البتہ جن الفاظ میں پیش کیا، وہ مخاطبین کے "قدر عقول" کے مطابق تھا، دوسرے یہ کہ انکا پیغام
ہی وقتاً فوقتاً اسی سلسلہ ارتقا کی ایک کڑی ہوا کرتا تھا، جو نوع انسانی میں تدریجی جاری تھا، گویا ایک نبی جس
زمانہ میں آیا، اُس کا پیغام اپنے ماحول اور گرد و پیش کے ارتقائی تخیلات کے حدود کے اندر اندر ہوتا تھا، اور جوں جوں ذہن
انسانی نے ترقی کی، اس تصور میں بھی ترقی ہوتی گئی، حضرت مولانا کے بیان سے اس دوسری شکل کی زیادہ تائید ہوتی
ہے، کیونکہ ایک دوسرے مقام پر وہ اس سے ذرا واضح تر الفاظ میں فرماتے ہیں کہ

"اگر یہ تمام کڑیاں تاریخی ترتیب کے ساتھ یکجا کر دی جائیں تو صاف نظر آ جائیگا کہ اس سلسلہ کی سب سے آخری اور
اس لئے سب سے زیادہ ترقی یافتہ کڑی وہی ہے، جو قرآن نے نوع انسانی کے سامنے پیش کی ہے" (ترجمان صفحہ ۱۰۴)

اب یہ بالکل واضح ہو گیا کہ انبیائے کرام کا یہ پیغام ذہن انسانی کے ارتقائی مدارج کا ساتھ دیتا رہا ہے، اور اس سلسلہ

کی آخری کڑی قرآنی تعلیم کی شکل میں پیش کی گئی ہے،

میرا خیال ہے کہ یہ تعلیم قرآنی تعلیم کے مفہوم کے مطابق نہیں قرآن حکیم نے زمان و مکان کے اختلافات کی بنا
پر شرائع و منہاج میں اختلاف و تباین کی ضرورت تو بتلائی ہے، لیکن جہاں تک "ایمان باللہ" کا تعلق ہے اسے کبھی
بھی ذہن انسانی کے ارتقائی مدارج کا تبیع نہیں بتایا، بلکہ یہ حقیقت عظمیٰ واضح کردی کہ جہاں اور جیسا بھی ذہن انسانی
اس بارے میں غلطی کی، یا دانستہ طور پر اس میں تحریف کی، تو اس منحرف یا فراموش کردہ پیغام کی تجدید کے لئے ایک او
پیغامبر تشریف لے آئے اور حضرت آدم سے نبی اکرم صلعم تک بلا لحاظ احوال و ظروف ایک ہی اصول پیغام پیش کرتے ر

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً — اور بلا شبہ ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر مبعوث کیا،
ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (۱۶ : ۳۶) — جس کی تعلیم یہ تھی، کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچتے رہو

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی — اے پیغمبر! ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول بھی دنیا میں نہیں بھیجا
الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون (۲۱ : ۲۵) — مگر اس ہی کیساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی

سورہ نساء میں اسے اور بھی واضح طور پر بیان کیا ہے،

انا اوحینا الیک کما اوحینا : : — ہم نے آپکے پاس وحی بھیجی ہے جیسی نوح کے پاس بھیجی تھی
.. .. — اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس اور ہم نے ابراہیم
.. .. — اسحاق اور یعقوب اور آل یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یو
.. .. — اور ہارون اور سلیمان کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے
.. .. — کو زبور دی تھی اور ایسے پیغمبروں کو صاحب وحی بنایا جن
.. .. — حال اس سے قبل ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں، اور ایسے

.. .. — کو جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا، اور موسیٰ سے اللہ
.. .. تکلیما، (۴ - ۱۶۴) — تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا،

سورہ بقرہ آیت ۲۰۵ کے تشریحی نوٹ میں خود حضرت مولینا فرماتے ہیں کہ

"ہر رسول کی دعوت کا مقصد ایک ہی تھا یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تلقین"

سو ظاہر ہے کہ جب تمام انبیاء کرام خدائے واحد کی تعلیم پیش کرتے تھے، تو جب خدا کا نام لیتے تھے، تو کی
فات کی تشریح بھی تو فرماتے ہوں گے، ذہن انسانی میں اللہ تعالیٰ کا تصور اسی صفاتی تشریحات پر مبنی ہوتا ہے،
ذا اگر یہ تفصیل و تشریح ایک دوسرے سے مختلف ہو جائیں، تو تصور الوہیت بھی مختلف ہو جائے گا، اور یہی اختلاف
ور ہی تو ہے، جسکی بنا پر "خدا پرستوں" میں خود اس قدر اختلاف موجود ہے، اور یہی اختلاف ہے جس کے مٹانے کے
حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے! اور یہ اسی صورت میں مٹ سکتا تھا، کہ صفات باری تعالیٰ کا
ہی تصور ہر حال میں پیش کیا جاتا، اور یہی "لا الٰہ الا ھو" سے مقصود ہے، کہ اس ایک "الٰہ" کا صحیح صحیح تصور ذہن
ن ہو جائے، ورنہ ذات "الٰہ" کا یقین دلانے کی تو بقول حضرت مولینا ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ یہ تو انسانی فطرت
وجدانی احساس ہے۔

بہر کیف حضرت مولینا کے سورہ فاتحہ کی تفسیر والے بیان کا مفہوم اگر وہی ہے، جو یہ عاجز سمجھا ہے اور جو اس کے
سے مترشح ہوتا ہے تو وہ قرآنی تعلیم کے مطابق معلوم نہیں ہوتا، اور اگر اس کا مفہوم یہ نہیں تو اس کے مطلب میں کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے
ئے اسکی موجودہ شکل میں ایک بہت بڑے شبہ کا دروازہ کھل رہا ہے، جو اس دور مادہ پرستی میں جب کہ عام طبائع
رجحان پہلے ہی اس طرف جا رہا ہے، کہ نبی کی حیثیت اپنی قوم کے ایک ریفارمر سے زیادہ نہیں ہو سکتی، ایک فتنہ عظیم
کرنے کا موجب بن جائے گا،

(۲)

دوسرا مسئلہ بہت اہم ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر تفسیر یا حواشی ترجمہ کا سرسری مطالعہ بھی کیا جائے، تو یہ امر

واضح ہو جاتا ہے کہ در اصل یہی ایک پیغام ہے، جو حضرت مولینا لوگون تک پہنچانا چاہتے ہین، اس پیغام کی تفصیل تو بہت طویل ہے، لیکن اس کا ماحصل یہ ہے، کہ تمام مذاہب عالم اپنے اپنے طریقہ پر سچے ہین، اور اصل دین "خدا پرستی" اور نیک عملی کی تلقین ہے، اور شرائع و منہاج کے اختلاف پر جو گروہ بندیان بنائی گئی ہین وہ اس تعلیم کے منافی ہین، بظاہر یہ اصول مذہب نہایت خوش آیند معلوم ہوتا ہے، اور یاور ہی نہین کیا جا سکتا کہ اسمین کسی اعتراض کی گنجایش ہو سکتی ہو، لیکن اس اجمال کی تفصیل پر اگر نظر ڈالی جائے، تو اوسکے بہت سے گوشے ایسے نکلین گے جنھین مشکل سے تسلیم کیا جا سکے گا، بہتر ہے کہ اس تفصیل کو حسب ضرورت مقامات سے خود حضرت مولینا کے الفاظ ہی مین پیش کیا جائے، تاکہ صحیح مفہوم کے سمجھنے مین غلطی کا امکان نہ رہے،

تفریق بین الرسل اور تحزب و تشیع کے تفصیلات کی بحث کے خاتمہ پر آپ ارشاد فرماتے ہین :-

(خلاصۂ بحث) متذکرہ صدر تفصیلات کا ماحصل حسب ذیل دفعات مین بیان کیا جا سکتا ہی،

(و) اس نے (قرآن نے) صاف لفظون مین اعلان کر دیا، کہ اوسکی دعوت کا مقصد اسکے سوا کچھ نہین ہے کہ تمام مذاہب اپنی مشترک اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائین، وہ کہتا ہے، تمام مذاہب سچے ہین، لیکن پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہین، اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کر لین، تو میرا کام پورا ہو گیا، اور اونھون نے مجھے قبول کر لیا، تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ سچائی ہے، جسے وہ "الدین" اور "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہی،

(ھ) اوس نے بتلایا کہ تمھاری مذہبی گروہ بندیون اور اون کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت مین کوئی دخل نہین، یہ گروہ بندیان تمھاری بنائی ہوئی ہین، اور خدا کا ٹھہرایا ہوا دین ایک ہی ہے، وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے، ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی، جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کریگا، اوس کے لئے نجات ہے، خواہ وہ تمھاری گروہ بندیون مین داخل ہو یا نہ ہو" (ترجمان صفحہ ۱۶۳)

دوسری جگہ فرماتے ہین :-

"اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہین کہ اس نے (قرآن نے) کسی مذہب کے پیرو سے بھی یہ مطالبہ نہین کیا کہ وہ کوئی نیا عقیدہ

یا نیا اصول قبول کر لے، بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہو جائے" (ترجمان صفحہ ۱۵۱)

سورۂ بقر آیت صفحہ ۱۷۲ کے تشریحی نوٹ مین تحریر فرماتے ہین :-

"دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہین ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا ظاہر کی کوئی دوسری بات اختیار کر لیجائے، بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے، اور اصل شے دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے، شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہین تاکہ یہ مقصود حاصل ہو جائے" (" صفحہ ۲۲۹)

اسی کے آگے درج ہے "جہان تک دین کا تعلق ہے، ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے، نہ کہ وسائل کی" خلاصہ اس بحث کا یہی ٹھہرا کہ نجات کے لئے یہی کافی ہو کہ

۱- ایک خدا کی پرستش کیجائے،

۲- اپنے اپنے خیال کے مطابق یا اپنے اپنے مذہبی اعتقاد کے مطابق جس عمل کو نیک سمجھا جائے اوس پر عمل پیرا ہوا جائے، اور

۳- حصول مقصد (یعنی کسی خاص "مقام" پر پہنچ جانے کے بعد شریعت کے ظاہری رسوم و احکام کو بھی خواہ چھوڑ دیا جائے)

اور یہ ضروری نہین کہ :-

(۱) ایمان کو کسی خاص شرط سے مقید کیا جائے، (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ کتب الہٰی انبیاء کرام آخرت پر بھی اسی شکل مین ایمان لایا جائے، جس شکل مین قرآن نے پیش کیا، اور نبی اکرمؐ نے کر کے دکھایا)

(۲) احکام و اعمال، (اوامر و نواہی) مین شریعت محمدی کی ہی پیروی کیجائے، اور عبادت و مناسک مین قرآنی احکام کا ہی اتباع کیا جائے،

۳- حرام و حلال (کھانے پینے کی پابندیون) مین قرآن کے فیصلون کو ہی قول فیصل مانا جائے،

بظاہر یہ تعلیم بڑی نظر فریب اور خوش آئند معلوم ہوتی ہے، اور اس میں بڑی مفاہمت اور مصالحت کی جھلک نظر پڑتی ہے، کہ جسکی برادری ایک عالمگیر وسعت بداماں ہوگی، اور دنیا میں پھر کوئی اختلاف و نزاع باقی نہ رہیگا، لیکن دیکھنا ہے کہ نجات و سعادت کی یہ شکل قرآنی زاویۂ نگاہ سے کہاں تک واجب التسلیم والعمل ہے، سب سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اگر یہ تعلیم قابل عمل بھی ہو تو کیا اس سے وہ مقصدِ عظیم حاصل ہو سکے گا، جس کے حصول کے لئے حضرت مولینا نے یہ تعلیم تجویز فرمائی ہے، یعنی گروہ بندیوں اور تحزب و تشیع کا وجود فی الواقعہ دنیا سے اوٹھ جائے گا، اس میں شبہہ نہیں، کہ اس تعلیم میں بہت بڑی لچک موجود ہے، اس لئے یہ حلقہ زیادہ کھینچنے سے ٹوٹے گا نہیں، لیکن یہ حلقہ برادری کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے، پھر بھی اس میں "ایک گروہ بندی" کی شکل موجود رہے گی، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ گروہ بندی ایک بہت بڑی گروہ بندی ہوگی، جس میں بہت سی چھوٹی چھوٹی گروہ بندیاں جذب ہو جائینگی، لیکن وسعتِ تحزب سے عدمِ تحزب کیسے لازم آجائے گا، گروہ بندی تو بہرحال قائم رہیگی،

وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری ✲ چھپے جو مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی

اسکے بعد یہ دیکھنا ہے کہ کیا آج صفحۂ ہستی پر کوئی گروہ ایسا بھی موجود ہے، جس کے اصولِ زندگی یا اصولِ مذہب من و عن وہی ہوں، جو حضرت مولینا نے تجویز فرمائے ہیں، اور اگر کوئی ایسا گروہ موجود ہے تو اس بحث کی پھر کیا ضرورت، کیوں نہ اُسی حلقہ کو وسیع کیا جائے، اس تلاش کے لئے ہمیں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، خود ہمارے ہندوستان میں ایک ایسا گروہ موجود ہے، جسکی تعلیم حرفاً حرفاً وہی ہے، جو حضرت مولانا نے پیش کی ہے، برہمو سماج کے نام سے آج کون واقف نہیں، اس کے بنیادی اصول ہی "خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی" ہیں، لفظ برہما سماج کے معنی ہی ایسا گروہ ہیں جو خدا پرست ہو، ان کی توحید کا عقیدہ جسقدر منزہ عن الشرک ہے اوسکی تفصیل بانی سماج سوامی رام موہن رائے کے سب سے پہلے رسالہ تحفۃ الموحدین میں موجود ہے، اس سماج کے اجتماع کے لئے آج سے قریب ایک سو سال پیشتر چیت پور روڈ پر جو عمارت تعمیر کی گئی تھی، اوسکے TRUST DEED (وثیقہ وقف) میں یہ عبارت موجود ہے، :-

"یہ عمارت اس غرض کے لئے تعمیر کی گئی ہے کہ اوس میں بلا تفریق (مذہب و ملت) ہر قسم کے ایسے لوگ جمع ہوا کریں جنکا باہمی سلوک نہایت شریفانہ ہو، اور نیک ہو، اور جو الہامی مذہبی عقائد کے ساتھ اُس ایک خدا کی پرستش اور تسبیح و تقدیس کے لئے جمع ہوا کریں جو کہ ازلی اور ابدی ہے، جس کو عقل انسانی کی تلاش سے پایا نہیں جا سکتا، جو نقائص سے منزہ ہے، جس کی ذات اس عالمِ موجودات کی خالق اور محافظ ہے، اور جسے اس نام کے علاوہ کسی اور ایسے نام سے مخاطب نہیں کیا جا سکتا جو اوس کے علاوہ کسی اور ذات کیلئے یا کسی انسان یا انسانوں کی جماعت کیلئے بولا جاتا ہو، اس عمارت میں کسی قسم کا کوئی کندہ کردہ مجسمہ، تصویر، بت، نقاشی کی شکل کوئی انسانی تصویر، یا کوئی ایسی چیز جو ان سے ملتی جلتی ہو، ہرگز داخل نہیں کی جائیگی ..."

ان کے مذہبی عقائد میں یہ چیزیں شامل ہیں،

۱۔ خدا ئے واحد کی اور صرف اسی کی پرستش کیجائے، خدا کا کوئی اوتار نہ مانا جائے، بت پرستی کی مخالفت کیجائے،

۲۔ صحیفۂ فطرت کو مذہبی اعتقادات کا بنیادی اصول مانا جائے،

۳۔ اگرچہ اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد کسی خاص کتاب پر نہ رکھی جائے لیکن ہر الہامی کتاب کی صداقت و حقانیت کو تسلیم کیا جائے،

۴۔ ہر مذہب کے سچے اصولوں کو اعتقادی اصول مانا جائے،

۵۔ ظواہر و رسوم پر اعتقاد نہ رکھا جائے، بلکہ مقصد اصلی قلبی صفائی کو قرار دیا جائے،

وغیرہ وغیرہ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا اور سائیکلوپیڈیا، اوف ریلیجنس اینڈ ایتھکس از جیمس ہیسٹنگز)

حضرت مولینا کی تعلیم اور مندرجہ صدر عقائد کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں رکھ کر موازنہ فرمایئے، ایک حرف کا بھی فرق نظر نہیں آئے گا، اب سوال یہ ہے کہ اگر "الدین" اور "الاسلام" یہی ہے، جو برہمو سماج کیہاں موجود ہے تو کیوں نہ اوسی حلقہ کو زیادہ وسیع کیا جائے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان اصولوں کو مانتے ہوئے برہمو سماج پھر بھی ایک علیحدہ گروہ تسلیم کیا جاتا ہے اور اوسے یا کسی اور ایسے ہی گروہ کو وسیع کر دینے پر بھی وہ علیحدہ گروہ رہیگا،

اس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ قرآن حکیم میں اوسکے متعلق کیا ارشاد ہے، ہر چند یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں تنگ نظری

اور تعصب کی کوئی گنجایش نہین لیکن جو وسعت و مفاہمت اصول و عقائد کی قیمت پر خرید ی جائے، قرآن اسکی بھی اجازت نہین دیتا، جہانتک یہ عاجز سمجھا ہی، قرآن کریم کی تعلیم اس ضمن مین یہ ہے کہ

۱۔ تمام انبیاء کرام خدائے تعالیٰ کی طرف سے سچے اصول دین لیکر مبعوث ہوئے تھے،

۲۔ تمام الہامی کتابین خدا کی طرف سے سچی اور برحق تھین،

۳۔ تمام شرایع و منہاج اپنے اپنے وقت مین واجب العمل اور خدا کا بتایا ہوا سچا راستہ تھین،

لیکن چونکہ الہامی کتابین دستبردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکین، شرعی احکام کی صورت انسانی تحریف نے مسخ کردی اور کسی عمل وعقیدہ کے متعلق حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہوگیا کہ یہ اللہ کا پیغام ہے یا انسانی تحریف، نیز احوال وظروف کے بدلنے سے تشریع مین بھی تبدیلی ہوتی گئی، لہذا تمام سابقہ سچائیون کو ایک مجموعہ کی شکل مین "تالیف" کرکے اپنے آخری پیغام کی صورت مین دنیا پر نازل فرمادیا، اور اوسکی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا، انحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون،

لھذا، نبی اکرمؐ کی بعثتِ مبارک قرآن کی تنزیل کے بعد، نجات وسعادت کے لئے یہ ضروری ٹھہرا، کہ

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان انھی شرائط و پابندیون کے ساتھ وابستہ کیا جائے جو قرآن نے تجویز کی ہین،

اسلئے کہ اللہ کو نہ ماننے والے تو بالکل النادر کالمعدوم ہین جس چیز مین "خداپرستون" مین اختلاف ہے، وہی قیود وشرائط ہی ہین،

۲۔ محمد رسول اللہ صلعم کے اسوۂ حسنہ کو عملی زندگی مین خضرِ راہ بنایا جائے،

اس لئے کہ قرآن اگر نقوش وحروف کی شکل مین ہے تو حضورؐ کی زندگی اوس کا عملی نمونہ ہے اور تعلیم بلا عمل کے سمجھنے مین دقت ہے

۳۔ عبادات ومناسک، اوامر ونواہی، غرضیکہ تمام عمل واحکام مین شریعت محمدی (یعنی احکام قرآنی) کا اتباع کیا جائے،

اس لئے کہ قرآن خدا کا آخری پیغام ہونیکی وجہ سے اعلیٰ ترین اصولِ حیات کا حامل ہے، اور ہر شعبۂ زندگی مین بلحاظ زمان ومکان بہترین احکام پیش کرتا ہے، اور اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف رجوع کرنا کہان کی عقلمندی ہے،

[illegible]

اس اجمال کی تفصیل اس عاجز کے مضمون "ایمان وعمل" مطبوعہ معارف بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۵ء مین گذر چکی ہے، قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس مضمون پر ایک دفعہ پھر نظر ڈال لین جس سے میرے اس بیان کی تائید بحوالہ آیات قرآنی ہوجائیگی، اس کے علاوہ ذیل کے مقامات کا پیش نظر رکھنا بھی مفید ہوگا جن کا ترجمہ مین نے ترجمان القرآن ہی سے نقل کیا ہے، سب سے پہلے "خداپرستی اور نیک عملی" کی تعلیم کے لئے نبی اکرمؐ کی اتباع واطاعت کے متعلق قرآن کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہے:-

(۱) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی .. .. غفور رحیم (آل عمران - ۲۹)

(اے پیغمبر) ان سے کہدو کہ اگر واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو تمہین چاہئے کہ میری پیروی کرو اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور تمھاری خطائین بخشدیگا، جو بڑا ہی بخشنے والا، اور رحمت ہے

(حاشیہ از حضرت مولینا:- جو کوئی اللہ سے محبت رکھنے کا دعویدار ہے، تو اوسے چاہئے کہ اللہ کے رسول کی پیروی کرے، اللہ کی محبت کا دعویٰ اور اوس کی راہ بتلانے والے کی پیروی سے انکار ایک دل مین جمع نہین ہوسکتے، ترجمان صفحہ ۲۸۷)

(۲) یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول.......... (النساء ۶۲)

مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو،

(حاشیہ: مسلمانون کیلئے اصل دین یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرین، اللہ کے رسول کی اطاعت کرین،.. پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ مین نزاع پیدا ہوجائے، توچاہئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کیطرف رجوع کرین، اور جو فیصلہ ملے اوس کے آگے سرِ تسلیم خم کردین، ترجمان صفحہ ۳۴۴)

(۳) وما ارسلنا من رسول الا

(حاشیہ: اور صاف صاف کہدیا ہے کہ جو شخص اللہ کے رسول کے

سلہ ان حوالجات مین مین نے اسی حد تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے جہانتک ترجمان القرآن جلد اول طبع ہوکر عام رسائی حاصل کرچکی ہے،

لیطاع باذن اللہ . (النساء ۶۴)...

اور فیصلہ پر یقین نہیں رکھتا وہ کبھی سچا مومن نہیں ہوسکتا یقین کے لئے صرف یہی کافی نہیں، کہ حکم مان لیا جائے، بلکہ لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت" ایسی حالت پیدا ہوجائے کہ حکم رسول کی خلاف دل میں کوئی تنگی وخلش بھی محسوس نہ ہو، (ترجمان ص۳۴۷)

(۴) یا ایھا الناس قد جاءکم رسول بالحق..... خیر لکم (النساء ۱۷۰)

اے افراد نسل انسانی بلاشبہہ الرسول (یعنی پیغمبر اسلام) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس سچائی کے ساتھ آگیا ہے، (اور اوسکی سچائی اب کسی کے جھٹلائے جھٹلائی نہیں جاسکتی) پس ایمان لاؤ کہ تمہارے لئے (اسی میں) بہتری ہے" (ترجمان ص[illegible])

تفسیر میں حضرت مولینا خود ایک جگہ فرماتے ہیں:-

"کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے........ اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے، ٹھیک اوسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا بھی اعتراف ہے" (ص۱۱۹)

معلوم نہیں جب ایک طرف یہ تعلیم ہو کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہوجائے اور یہ بھی ضروری نہ ہو کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اس قسم کی کوئی دوسری صورت اختیار کرلی جائے، تو رسول اکرم کی پیروی پھر کس بات میں کی جائے،

اسکے بعد قرآن کریم پر ایمان لانے کے متعلق ملاحظہ فرمایئے، یوں تو سارا قرآن اس بات پر شاہد ہے کہ نجات و

سعادت کے لئے قرآن کریم کے احکام پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے، لیکن بخوف طوالت میں یہاں صرف ایک حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں حضرت مولینا نے فرمایا ہے کہ اصل دین یہ ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہوجائے" لیکن قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ ایک یہودی وعیسائی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائے، چنانچہ ارشاد ہے:-

واذا سمعوا.......... محسنین (المائدہ ۸۳-۸۵)

اور جب یہ عیسائی وہ کلام سنتے ہیں جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا ہے، تو تم دیکھتے ہو، کہ اون کی آنکھیں جوش گریہ سے بہنے لگتی ہیں، کیونکہ اونھوں نے (اس کلام کی) سچائی پہچان لی ہے، اور وہ (بے اختیار) بول اوٹھتے ہیں "خدایا ہم (اس کلام پر) ایمان لائے، پس ہمیں بھی اونھی میں سے لکھ لے جو تیری سچائی کی گواہی دینے والے ہیں" اور (وہ کہتے ہیں) ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اوس کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے ایمان نہ لائیں، اور اللہ سے اس کی توقع نہ رکھیں کہ وہ ہمیں نیک کرداروں کے زمرے میں داخل کردے، تو دیکھو خدا نے ان کے اس کہنے کے صلے میں انھیں نعمت وسرابادی کی جنتیں عطا فرمائیں، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، (اور اس لئے ان کی بہار کے لئے کبھی خزاں

نہین) وہ ہمیشہ انھین جنتوں مین رہینگے اور ایسا
ہی بدلہ ہے جو نیک کرداروں کے لئے ٹھہرا دیا گیا ہے"

(ترجمان صہ ۴۰۵)

اب شرع و منہاج کا سوال جس کے لئے حضرت مولینا فرماتے ہین کہ اسکی بھی کوئی ضرورت نہین کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی قسم کی کوئی دوسری صورت اختیار کیجائے، سوال تو قرآن پر ایمان لانے کے معنی ہی یہی ہین کہ اوس کے احکام پر عمل پیرا ہوا جائے لیکن اصولی طور پر اس کی ضرورت کے متعلق خود حضرت مولینا ما ننسخ من آیۃ او ننسھا (۲: ۱۰۰) کے حاشیہ مین تحریر فرماتے ہین :-

"ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لئے ہوا کہ یا تو نسخ کی حالت طاری ہوئی، یا نسیان کی، "نسخ" یہ ہے کہ ایک بات پہلے سے موجود تھی لیکن موقوف ہوگئی، اور اوسکی جگہ دوسری بات آگئی "نسیان" کے معنی بھول جانے کے ہین پس بعض حالتوں مین ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی نہ کسی شکل مین موجود تھی، لیکن احوال و ظروف بدل گئے تھے اور اوس کے پیروون کی عملی روح معدوم ہوگئی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور مین آئے (؟ پرویز) بعض حالتون مین ایسا ہوا کہ امتداد وقت سے پچھلی تعلیم بالکل فراموش ہوگئی، اور اصلیت مین سے کچھ باقی نہ رہا، پس لا محالہ تجدید ہدایت ناگزیر ہوئی، سنت الٰہی یہ ہے کہ نسخ شرایع ہو یا نسیان شرایع لیکن ہر نئی تعلیم پچھلی تعلیم سے بہتر ہوتی ہے، یا کم از کم اوس کے مانند ہوتی ہے ایسا نہین ہوتا کہ کمتر ہو کیونکہ اصل تکمیل وارتقا ہے نہ کہ تنزل و تسفل" ترجمان صہ ۲۰۳/۲۰۴)

مجھ مین نہین آتا کہ جب ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر نجات حاصل کرسکتا ہے، تو پھر نسخ شرایع کی کیا ضرورت؛ اور جب نسیان شرایع کا وجود بھی مانا جاتا ہے، تو ہر گروہ اپنے مذہب کی "حقیقی تعلیم" کو کہان سے ڈھونڈ کر لائے، حیرت اندر حیرت است و مشکل اندر مشکل است،

مین یہان تک لکھ چکا تھا کہ حسن اتفاق سے مجھے خود حضرت مولینا کا ایک سلسلۂ مضامین خاص انہی موضوعات پر مل گیا، جو اونھون نے آج سے قریب ۲۲ سال پیشتر شایع فرمایا تھا، مناسب معلوم ہوا کہ حسبِ تعلقات

سے اس سلسلہ کی کچھ کڑیان پیش کردی جائین، تاکہ ان شبہات کا خود حضرت مولینا کے الفاظ سے ہی فیصلہ ہوجائے،

۱۳-۱۹۱۲ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولینا نے جماعت "حزب اللہ" کے نام سے ایک تحریک کی بنا ڈالی تھی، اور اس غرض کے لئے اونھون نے "الہلال" مین "الدار و الدار" کے زیر عنوان کئی متفرق اشاعتون مین یہ سلسلہ مضامین شایع فرمایا تھا اس وقت میرے پیش نظر ۲۰ رجون لغایت ۳ ر دسمبر ۱۹۱۳ء کے پرچے ہین، اور ذیل کے اقتباسات انہی پرچوں سے لئے گئے ہین، یہان یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ جماعت حزب اللہ کی بنا حضرت مولینا نے کسی خاص سیاسی یا معاشرتی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے نہین ڈالی تھی، بلکہ ان کے الفاظ مین وہ "عین اسلامی" جماعت تھی، چنانچہ آغاز تحریک مین وہ اپنے مطلب کو ان الفاظ مین پیش فرماتے ہین :-

"بہتر ہے کہ مین اپنے مطلب کو زیادہ واضح کردون، میرا مقصود اس صدائے دعوت سے یہ ہے جو محض آجکل کی مصطلح تحریک اور ایک رسمی آواز ہی نہ ہو، بلکہ اسکی داعی ایک ایسی جماعت ہو جو اپنی زبانون کی طرح اپنے اعمال کے اندر بھی ایک صدای دعوت رکھے، جو سر سے پیر تک اس دعوت کا ایک پیکرِ مجسم ہو، جو دنیا کو اللہ کی طرف بلانے سے پہلے خود اللہ کیلئے ہوچکی ہو........ اوسکے اندر حقیقت اسلامی کی عملی روح ہو اوس کا دل جمال الٰہی کا مسکن اور اس کا چہرہ حسن حقیقت کا حجاب ہو، وہ دنیا کی تمام طاقتون اور ماسوا اللہ قوتون سے باغی ہو کر صرف خدائے اسلام کی وفادار اور تابع احکام ہو"

.......(الہلال ۲۰ر جولائی ۱۹۱۳ء)

جب کہ میرا اشارہ ایک ایسی جماعت کی طرف ہے تو پھر کیون متعجب ہوتے ہو۔ کہ اگر مین نے اوسکی صدا کو صدائے حق، اور اوسکے جمال کو جمال الٰہی کہا، حالانکہ جو نفوس قدسیہ نفس و شیطان کے تسلط کی زنجیرون کو توڑ کر حقیقت اسلامیہ کی محویت و خود فروشی کے مقام کو اپنے اوپر طاری کرلیتے ہین یعنی اپنی تمام قوتون اور خواہشون کے ساتھ اللہ کے ساتھ بک جاتے ہین اور ہر طرف سے گردن موڑ کر صرف اوسی قبلۂ ارواح و کعبۂ قلوب کے آگے منہ کرلیتے ہین، پھر وہ مسلم ہوتے ہین، اور "اسلام" کے معنی گردن کے رکھ دینے حوالہ کردینے اور جھکا دینے کے ہین، ....(ایضاً)

پھر ان کی تعریف ان لفظون مین کی ہے،

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان	یہی وہ سچے مومن ہین جن کے دلون کے اندر خدا نے
.. ..	ایمان نقش کردیا ہے اور اپنی روح سے ان کی نصرت
.. ..	فرمائی ہے، نیز وہ انہین کامیابی وفتحمندی کے ایسے باغون
.. ..	مین داخل کریگا، جن کے نیچے نہرین بہ رہی ہونگی،
.. ..	اور وہ ہمیشہ اوس کا عیش ابدی حاصل کرین گے، یہی
.. ..	وہ خدا کے خاص بندے ہین جن سے وہ راضی ہے اور وہ خدا
.. .. ..ورضوا عنہ (۵۸ : ۲۱)	سے راضی ہین" (الہلال ۳ر دسمبر ۱۹۱۳ء)

گویا بارگاہِ الٰہی مین انکا درجہ یہ ہے کہ وہ خدا سے خوش اور راضی ہین اور خدا اون سے خوش اور راضی ہے، اور یہ انتہاء مراتب عباد اللہ ہے، پھر "دائمی نشاط کار، وسرور فتحمندی،" اور فلاح دارین اوسکا صلہ ہے، لہٰذا نجات وسعادت کی راہین اس جماعت پر کھل جائین گی، اوسکے بعد اس جماعت کا نام تجویز فرماتے ہوے ارشاد ہے:-

"یہ جماعت حزب اللہ کے نام سے موسوم ہوگی، کہ خدائے تعالیٰ نے مومنین مخلصین کو اسی لقب سے ملقب فرمایا ہے۔"

"الا ان حزب اللہ ھم الغالبون" (〃)

یہ تو ہوئی گروہ بندی،" اب سوال یہ ہے کہ تعین جماعت کے لئے تخاطب مین مسلمانون کی تخصیص کیون کی گئی ہے، اور اونھین وہ کونسا امتیازی تفوق حاصل ہے، جس کی بنا پر یہ شرف واعتبار اون کے حصہ مین آیا ہے، فرماتے ہین:-

..... بلکہ ہم کو (مسلمانون کو) بتایا گیا ہے کہ تمام دنیا تمھارا گلہ ہے اور تم اوس کے چرواہے ہو، یہ تمام انسانی آبادیان تم کو دی گئی ہین، تاکہ اللہ کی طرف سے تم اون کی حفاظت کرو، اور گرگ ابلیس کے خونخوار حملون سے اون کو بچاؤ، تم کو بہترین امت اور افضل ترین امم بنایا گیا، تاکہ تم ارض الٰہی کے خدمتگذار بنو، اور تم کو دنیا مین اوس نے اپنی جماعت اپنی فوج اور قائم مقام قرار دیا، تاکہ اوسکی ہدایت کا علم

صرف تمھارے ہی ہاتھ مین ہو، اور اوس کے تمام بندے اوس کے سایہ کے نیچے آکر پناہ لین.......

.... پھر غور کرو کہ کس طرح تمام دنیا کی اصلاح وسعادت کا ہمین ذمہ دار بتایا ہے، اور کہا ہے کہ تم ہی ہو جو اوس کے لئے شاہد ہو سکتے ہو، کیونکہ زمین پر تمھارے سوا اور کوئی نہین جس کے لئے ہمارا رسول شاہد ہو،" (الہلال بابت ۲۰ر جولائی ۱۹۱۳ء)

اللہ اللہ کس درجہ بلند مقام ہے، جو جماعت مسلمہ کو عطا فرمایا گیا ہے، اور کس قدر عالی منصب ہے جو انھین تفویض کیا گیا ہے کہ تمام افراد نسل انسانی کے رشد وہدایت اور حفاظت وجہانبانی کی ذمہ داری اُن پر عائد کی گئی ہے، اور اونھین بہترین امت اور افضل ترین امم قرار دیا گیا ہے، یہ کیون، اس لئے کہ

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا	پھر پچھلی قومون کے بعد ہم نے اپنے بندون مین
من عبادنا..	سے اون لوگون کو کتاب الٰہی (قرآن) کا وارث
.. ..	ٹھہرایا، جن کو ہم نے اپنی خدمت کے لئے اختیار
ذالک ھوالفضل الکبیر (۳۵ : ۳۰)	کرلیا، (یعنی مسلمانون کو)...... (〃)

اس کے بعد ان شرائط اور پابندیون کا ذکر ہے جو اس جماعت مین داخل ہونے والون پر عائد کی جائین گی، اس کے لئے جماعت کے تین مدارج متعین کئے گئے تھے پہلا درجہ احساس وایقان کا تھا یعنی ایثار وقربانی کیلئے دل مین ایک تڑپ پیدا کی جائے، اس کے بعد دوسرا درجہ قوت عمل کے مظاہرہ کا تھا، اس مین یہ نہین کہا گیا کہ بلا تعریف وتخصیص "نیک عملی" کی زندگی کی جائے، بلکہ فرمایا:-

"لیکن اس کے لئے اولین شرط یہ ہوگی کہ داخل ہونے والا امور ذیل کی پابندی کا مومنانہ ومخلصانہ عہد کرے، نیز جس قدر زمانہ پہلی جماعت مین بسر کر چکا ہے، اوس کے نتائج اس کے عہد کی صداقت کا یقین دلائین،

۱- تمام احکام شریعت کی، ان کی تمام شرائط وارکان کے ساتھ سچی پابندی کرنا اور از مرتا

یا اپنے تمام اعمال و افعال حیات اور تعلقات و لوازم زندگی میں یکسر پیکرِ شریعت اور مجسمۂ اسلامیت ہونا۔

۲۔ حکم اسلام اور شریعت اسلامیہ کی اطاعت کا بتدریج وہ مرتبہ حاصل کرنا اور اس طرح اس کے احکام کی عظمت و سطوت اپنے اوپر طاری کر لینا کہ اوس کا ہر حکم فرمان قضا اور اوس کا ہر اشارہ فیصلہ کن جسم و جان ہو .... "(الہلال ۱۷ دسمبر ۱۹۱۳ء)

گویا شریعت محمدی کا اتباع نہایت ضروری ہے، اور یہ اس لئے کہ

"اسلام ایک آخری دین الٰہی تھا، جس نے نہ صرف احکام شریعت میں ہی بلکہ حیات قومی کی ہر شاخ میں ہم کو سب سے آخر اور سب سے بہتر اصول دے دئے، اور دنیا خواہ کتنی ہی بدل جائے، لیکن آزما لیا جا سکتا ہے، کہ ان اصولوں کی صداقت کو بدلنے کی ضرورت نہیں .... پھر "اتمام نعمت" کا لفظ کہکر بتا دیا، کہ جو اصول اونھیں دئے گئے ہیں وہ چونکہ آخری ہیں، اس لئے اعلیٰ ترین بھی ہیں، اور اب ان کے پاس زر و جواہر کی کانیں مہیا ہو گئی ہیں، پس اون کو اوروں کے خزف ریزوں پر للچانے کی ضرورت نہیں" (الہلال ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء)

یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسلام سے مراد وہ متفقہ اور مشترکہ سچائی نہیں جو ہر مذہب میں پائی جاتی ہو بلکہ وہ دین الٰہی ہے، جس نے احکام شریعت میں بہترین اور آخری اصول مسلمانوں کو دئے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ایک ہی چیز کا مشترک و متفق اور بہترین اور اعلیٰ ترین ہونا متضاد ہے۔

اس کے بعد مولانا نے اس حقیقت عظمیٰ کا اعلان کہ نبی اکرم صلعم کی تشریف آوری کے بعد احکام اسلامی کے علاوہ کوئی تعلیم ذریعہ نجات نہیں ہو سکتی، اس قدر واضح، غیر مبہم اور بین الفاظ میں فرمایا ہے، کہ وہ اس بحث کے لئے قول فیصل کا حکم رکھتا ہے، اور وہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کی موجودگی میں کسی مزید دلیل و حجت

کی ضرورت باقی نہیں رہتی نہ ہی کسی تاویل و تعویل کی گنجائش۔ بعثت نبی اکرم صلعم کے سلسلہ میں حضرت مولینا رقمطراز ہیں:-

"........ یعنی وہ وجود اعظم و اقدس جس کے لئے دشت حجاز میں ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنے خدا کو پکارا ربنا وابعث فیہم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم (۲: ۱۲۱) جس کے نور مبین کی تجلی فاران کی چوٹیوں پر موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی، جس کے عشق میں داؤد علیہ السلام نے نغمہ سرائی کی، جس کے جمال الٰہی کی تقدیس میں سلیمان علیہ السلام اپنے تخت جلال پر جھک گیا، جس کی طرف یوحنا علیہ السلام سے پوچھنے والوں نے بیقرارانہ اشارہ کیا، اور جس کے لئے ناصرہ کے اسرائیلی نبی علیہ السلام نے اپنا جانا ہی بہتر سمجھا، تا وہ اپنے باپ سے جو آسمان پر ہے سفارش کرے، اور اوس کو جو آنے والا ہے "جلد بھیجدے" (یوحنا ۱۶:۷)

غرضیکہ جب وہ آنے والا آیا، اور خدا کی زمین آخری مرتبہ سنواری گئی، تا اوس کی ابدی حکومت و جلال کا تخت بچھے اور پھر اوس کے فرمان آخری کا اعلان ہو۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین (۳: ۸۴)

اب سے جو انسان احکام اسلامی کی جگہ کسی دوسری تعلیم کو تلاش کرے گا، تو یقین کرو کہ اوس کی تلاش کبھی مقبول نہ ہوگی، اور اوس کے تمام کاموں کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی ہوگا"

(الہلال باب ۲۴ دسمبر ۱۹۱۳ء)

یہ اقتباسات کسی مزید حاشیہ آرائی و خیال آفرینی کے محتاج نہیں، ارباب ذوق خود اندازہ

فرما سکتے ہین، کہ اوس وقت حضرت مولینا کے نزدیک معیار نجات وسعادت وہی تھا، جو انھون نے آج تفسیر و ترجمان القرآن مین پیش کیا ہے یا وہ جو اس عاجز نے گذارش کیا ہے، اس مین شک نہین، کہ بیس سال کے عرصہ مین احوال و ظروف بہت کچھ بدل چکے ہین، لیکن اصول و حقائق تو ہمیشہ اٹل اور غیر متبدل ہوا کرتے ہین، احوال و ظروف کی تبدیلی کا ان پر تو کچھ اثر نہین ہونا چاہئے، لیکن یہان تو یہ شکل ہے کہ آیات قرآنی تک کے ترجمہ و مفہوم مین بین فرق پیدا ہو رہا ہے، مندرجۂ بالا آیت قرآنی ومن یبتغ غیر الاسلام دینا .... الخ کا مفہوم اور ترجمہ ۱۹۱۳ء کا بھی آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے، اب ۱۹۳۲ عیسوی کا مفہوم اور ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیے ارشاد ہے:-

اور جب وہ (قرآن) کہتا ہے کہ "الاسلام" کے سوا کوئی دین اللہ کے نزدیک مقبول نہین تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے، کہ دین حقیقی کے سوا جو ایک ہی ہے۔ اور تمام رسولون کی مشترک تعلیم ہے، انسانی ساخت کی کوئی گروہ بندی مقبول نہین، سورۂ آل عمران مین جہان یہ بات بیان کی ہے کہ دین حقیقی کی راہ تمام مذہبی رہنماؤن کی تصدیق و پیروی کی راہ ہے، وہین متصلاً یہ بھی کہدیا ہے:-

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین (۳-۷۹)

اور جو کوئی اسلام کے سوا (جو عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ ہے) کوئی دوسرا دین چاہے گا تو یاد رکھو اوس کی راہ کبھی قبول نہ کی جائیگی، اور وہ آخرت مین یہ دیکھے گا، کہ اوسکی جگہ کمانے والون مین نہین، بلکہ نقصان اوٹھانے والون مین ہے،، (ترجمان صفحہ ۱۵۸)

اسلامی احکام اور عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ مین جو بین فرق ہے، وہ محتاج تشریح نہین، مین حضرت مولنا کی خدمت مین بصد احترام و عقیدت عرض کرنیکی جرأت کرتا ہون کہ وہ تھوڑے سے وقت کے لئے ادھر توجہ فرماکر اتنا ارشاد فرمادین کہ اون کے مندرجہ صدر (۱۹۱۳ء) کے خیالات اور آج کے مفہوم قرآن مین فی الواقع کچھ اختلاف ہے یا یہ اس عاجز کی غلط فہمی ہے، اور اگر اختلاف موجود ہے تو اون مین سے کونسا مفہوم صحیح ہے، اگر حضرت مولینا کی گوناگون مصروفیتین انکی اجازت نہ دین (حالانکہ میرے نزدیک یہ بڑا اہم مسئلہ ہے)، تو کوئی اور صاحب علم ہستی اس طرف توجہ فرماکر میرے شکوک رفع فرمادے کہ یہ بہت سے دلون کیلئے موجب طمانیت ہوگا، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم،

قاضی تلمسانی اور اون کے صاحبزادے بہرام جنگ بہادر

از

جناب محمد غوث صاحب، حیدرآباد، دکن،

معارف ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵ھ ۲۹ نمبر ۵ مین "ارکاٹ کا گور غریبان" کے عنوان سے قاضی تلمسانی اور سعادت اللہ خان کی قبرون کے دو کتبے شائع ہوئے تھے، سعادت اللہ خان کا تذکرہ کسی اور موقع پر کیا جائیگا، ہمین ذیل کی سطرون مین قاضی تلمسانی کے حالات سامنے لانے ہین،

قاضی تلمسانی ارکاٹ کی مشہور ریاست خاندانِ والاجاہی سے وابستہ تھے حسنِ اتفاق سے نواب عظیم الامرا بہادر اولین وظیفہ یاب نواب کرناٹک کے عہد کے چند رجسٹر دستیاب ہوئے ہین، جنمین اس عہد کی چند اہم مراسلتین جو مختلف اربابِ اقتدار کے درمیان ہوئی ہین، اور چند وابستگانِ دولت کی عرضیان اور یادداشتین محفوظ ہین، ان رجسٹرون مین سے ایک رجسٹر سنہ ۱۸۰۰ء کی مراسلت کا ہے، اس مین قاضی تلمسانی کے فرزند قادر نواز خان بہرام جنگ بہادر کی بھی ایک عرضی مع متعدد یادداشتون کے نقل کی گئی ہے، یہ عرضی انھون نے ریاست سے منقطع ہونے کے بعد جاگیر کی بحالی کے لیے اربابِ اقتدار کی خدمت مین پیش کی تھی، وہان سے بغرض اظہارِ رائے نواب صاحب کے حضور مین آئی اور درجِ رجسٹر ہوئی، اس عرضی مین بہرام جنگ بہادر نے اپنے خدمات کے ماسوا اپنے والد ماجد کے حالات وخدمات کا بھی واضح تذکرہ کیا ہے جس سے ان کے حالات پر روشنی پڑتی ہے،

قادر نواز خان بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ اُن کے والد شیخ محمد الانصاری المالکی تلمسان سے جو تونس وطرابلس کے قریب واقع ہے، بارادۂ حج روانہ ہوئے، بعد ادائے فریضۂ حج ہندوستان کی سیاحت

کا ارادہ کیا اور براہ سورت دہلی مین وارد ہوے، محمد شاہ کا زمانۂ سریرآرائی تھا، بادشاہ کو جب اس نووارد مسافر کے کمالات اور علم وفضل کا علم ہوا تو باریابی کی عزت بخشی، اقامتِ دہلی کا امر ہوا اور تولیت وتدریس مدرسہ بادشاہی کی خدمت کا اعزاز عطا ہوا، چنانچہ فرمان بھی بمہر شاہی نافذ ہوا، روز بروز تقرب شاہی زیادہ ہوتا گیا اور خود جہان پناہ کو امورِ جہانبانی سے جب فرصت ملتی تو تجوید کا درس بھی اُن سے حاصل فرماتے، نادر شاہ کی آمد، محمد شاہ کا انتقال، احمد شاہ درانی کا ہنگامہ اور دیگر شاہانِ ہند کی حکمرانی کے واقعات سب ان کی نظرون کے سامنے گذرے، شیخ کی جو عزت وتکریم محمد شاہ کے عہد مین تھی وہ آخر تک برابر قائم رہی، شاہ عالم نے الہ آباد سے دہلی کا قصد فرمایا تو شیخ نے بڑھاپے کا عذر کر کے مکہ معظمہ کی روانگی کی رخصت حاصل کی اور اسی قصد سے وارد مدراس ہوئے اور نواب والاجاہ بہادر سے خواہش کی کہ ہر سال ریاستِ والاجاہی کی جانب سے جو سرکاری جہاز قافلۂ حجاج کو حجاز لیجاتے ہین[1] ان مین سے کسی مین روانگی کی اجازت عطا کیجائے، لیکن جب نواب والاجاہ بہادر کو قاضی تلمسانی کے علم وفضل کی اطلاع ہوئی، تو انھون نے بڑے اصرار سے شیخ کو اپنے پاس روک لیا، شیخ نے ہرچند رخصت چاہی، لیکن اجازت نہ ملی، پانچ سال تک نواب صاحب نے اپنے پاس مدراس مین روک رکھکر اوقاتِ فرصت مین درسِ حدیث کا سلسلہ جاری رکھا، بعد ازان بکمال اصرار خدمتِ قضاء صوبہ ارکاٹ پر مامور کیا، نواب والاجاہ بہادر اور ان کے فرزند نواب امیر الامراء بہادر تکریم وتعظیم کے ساتھ عنایت نامہ جات لکھا کرتے، خدمت پر دو سال پورے ہوے تھے کہ نواب حیدر علی خان بہادر نے ہنگامہ برپا کر دیا، اسی ہنگامہ مین ہر علاقہ دار سرکاری ارکاٹ سے روانہ ہو گیا، صرف قاضی صاحب ارکاٹ مین رہ گئے اور اس وقت بے معاشی اور قحط سالی کے عالم مین ہر قسم کی تکلیف برداشت کر کے حقِ رفاقت اور خیر خواہی ادا کیا، نواب حیدر علی خان بہادر کے انتقال کے بعد ملک کرناٹک اربابِ کمپنی کے تحتِ اقتدار آ گیا، لارڈ جارج مکارٹنی

[1] نواب والاجاہ بہادر نے ریاست کی جانب سے دو جہاز تیار کرائے تھے جو ہر سال حجاج کو لاتے اور لیجاتے تھے، ایک جہاز کا نام "سفینۃ اللہ" تھا، ان جہازون اور نیز مصارف حرمین وحجاج کیلئے نواب صاحب نے بعض بندرگاہون کی آمدنی "وقف" کر دی تھی ۱۲

گورنر مدراس کو قاضی صاحب کا حال معلوم ہوا تو بتوجہ خاص خدمتِ سابقہ پر مع جاگیر و مشاہرہ بحال رکھا گیا، ہالی برٹن صاحب ارکاٹ مین آئے تو قاضی صاحب کی خدمت مین خود حاضر ہوے، قاضی صاحب نے پھر سفر حج کے لئے رخصت کی خواہش ظاہر کی، لیکن اجازت نہین ملی، بہرام جنگ بہادر نے لکھا ہے کہ

"ایشان (ہالی برٹن صاحب) اصلا قبول نکردند و جواب دادند کہ لارد صاحب ہرگز صاحب را نخواہند گذاشت، بودن صاحب درین شہر موجب برکت است"

لارڈ جارج مکارٹنی اور ہالی برٹن صاحب پوری تعظیم و تکریم سے خطوط لکھا کرتے تھے،

ارباب کمپنی نے ملک کو جب دوبارہ نواب والاجاہ بہادر کو تفویض کیا تو اس وقت قاضی صاحب انتقال کر چکے تھے،[1] اس وقت بہرام جنگ بہادر اور ان کے بھائی حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر دونون نوجوان تھے، علاوہ برین دو چھوٹے فرزند اور بھی تھے، اس لئے نواب صاحب نے خدمتِ قضا پر دوسرے شخص کو مامور کر دیا، لیکن جاگیر مشروطی خدمت بنام متعلقان بلا شرط خدمت جاری کر دی، اور دونون بڑے بیٹون کو ارکاٹ اور دوسرے مقامات مین مناسب خدمات پر مقرر کیا،

اپنی عرضی اور یادداشتون مین اپنے والد کی ان خدمات و حالات کا ذکر کرنے کے بعد بہرام جنگ بہادر نے اپنی خدمات کا بھی تذکرہ کیا ہے، چونکہ واقعات دلچسپ ہین اس لئے اسی سلسلہ مین وہ بھی درج ذیل ہین،

بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ ارباب کمپنی کے حکم سے ملک سرکار پھر ضبطی مین آگیا تو وہ ارکاٹ

[1] بیان کیا جاتا ہے کہ مرض کی حالت مین خود نواب والاجاہ بہادر اپنے دونون فرزند نواب عمدۃ الامراء بہادر اور نواب امیر الامراء بہادر کے ساتھ عیادت کے لئے گئے، نواب صاحب نے قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ اب کیا خواہش ہے؟ قاضی صاحب نے آہستہ آہستہ کچھ کہا، دونون فرزندون نے نواب صاحب کی خدمت مین عرض کیا کہ قاضی صاحب اپنے بچون کو حضور کے سپرد کرتے ہین، یہ سنکر قاضی صاحب اٹھکر بیٹھ گئے اور لا واللہ لا واللہ کہنے لگے اور کہا مین اپنے بچون کو خدا کے سپرد کرتا ہون (بیان کردہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب منتظم مدرسہ محمدی مدراس جو فی الحقیقت انہی خاندان مین ضبط تحریر مین نہ آئی ہوئی تاریخی روایتون کے مرجع اور سند ہین) ۱۲

سے مدراس چلے آئے، نواب والاجاہ بہادر نے سرداری فوج کے عہدہ پر مامور فرمایا، کچھ عرصہ کے بعد ملک پھر واپس ہوا تو بہرام جنگ بہادر کا مرتبہ روز بروز زیادہ ہوتا گیا، بخشی گری افواج، صدر الصدوری کرناٹک اور میر سامانی کے مراتب پر سرفرازی ہوئی، داروغگی باغات شاہی اور داروغگی نیاز و پیشکش کے خاص خدمات بھی سپرد ہوے، جاگیر و خطابات سے بھی سربلندی حاصل ہوئی،

مارکویس کارنوالس نے سلطان شہید میسور سے مقابلہ کے بعد بوقت صلح بطور یرغمال سلطان شہید کے دو فرزند حاصل کئے، مدراس مین ان کے قیام کا بندوبست کیا گیا، مارکویس کارنوالس نے دونون صاحبزادون کی نواب والاجاہ بہادر سے ملاقات کرائی اور ظاہر کیا کہ فی الحقیقت ارباب کمپنی اور سلطان میسور مین مصالحت اور دوستی ہو چکی ہے، بنابرین نواب والاجاہ بہادر کے لیے بھی رفعِ کدورت مناسب ہے، ان دونون فرزندون کے حال پر شفقتِ بزرگانہ سے بالخصوص مہربانی کرنی چاہئے اور یہ کہ ان فرزندون پر جو بھی نظر عنایت ہوگی وہ خود مارکویس کارنوالس کی ذات کے لیے متصور ہوگی،

دونون فرزندون اور غلام علی خان بہادر اور علی رضا خان بہادر وکلاے سلطان کی خدمت مین مراسم دوستی کی تجدید کی غرض سے آمد و رفت کے لیے بہرام جنگ بہادر کو باطلاع مارکویس کارنوالس مامور کیا گیا، اور ہدایا و تحالیف، خلعت و جواہر کے رسل و رسائل سے روابط اتحاد کا سلسلہ شروع ہوا، بہرام جنگ بہادر کے ساتھ اکثر اوقات مسٹر ڈفٹن بھی شریک مجلس رہتے تھے،

نواب والاجاہ بہادر نے بہرام جنگ بہادر کی وساطت سے جو جو خاص پیغام بھیجے تھے وہ یہ ہین،

ا۔ فی الوقت انگریزون اور فرانسیسیون مین نفاق پیدا ہو گیا ہے، فرانس مین خانہ جنگی برپا ہے، فرانس کی خرابی کے لیے سات قومون نے کمر باندھی ہے، کچھ دن مین خبر آتی ہے کہ فرانس کا سارا ملک دشمنون کے تصرف مین آگیا، انگریزی لشکر آج کل مین مدراس سے پانڈی چری روانہ ہوتا ہے، پانڈی چری مین بلا شبہہ فوج موجود ہے، لیکن فساد خانگی کی وجہ سے سب فوج اسیر ہو رہے گی، غرض اس پیام سے یہ ہے

کہ معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان کا وکیل جو پانڈی چری مین رہتا ہے سلطان کی خدمت مین مدد طلب کرنے کی غرض سے حاضر ہو رہا ہے، اسی قصد سے وہ روانہ میسور ہوا ہے، یقین ہے کہ سلطان سب نشیب و فراز پر غور کرینگے، اس وقت کسی قسم کی کمک عمل مین نہ آنی چاہیئے، وکیل کو چند روز روک رکھا جائے، آمد و رسل و رسائل بھی موقوف رہے کہ موجب صلاحِ دولت ہے، بلاشبہ سلطان کو اہل فرانس سے رابطۂ قدیمی ہے، لیکن اب مقتضائے وقت اور ہے، برائے خدا اس پیام سے کوئی اور امر نہ خیال کر لیا جائے، معرفت خیر خواہی منظور ہے،

۲۔ سابق مین فی مابین جو کدورت پیدا ہو گئی تھی وہ بہ فضل الٰہی اب بالکل دور ہو گئی، اگر دل مین ذرہ برابر بھی عناد ہو تو مسلمان نہین، ٹیپو سلطان کی جانب سے بھی اسی طرح صفائی کلی کا یقین ہے،

۳۔ معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان نے اپنے وکلا مرہٹون کے پاس روانہ کئے ہین اور مرہٹون سے موافقت کا خیال پیدا ہوا ہے، پونہ مین جو مدبر انگریز ہین انھون نے اس واقعہ سے صاحبانِ حکومت کو مطلع کیا ہے، کہین ایسا نہ ہو کہ لارڈ کارنوالس کو کوئی شبہہ پیدا ہو جائے، کسی دوسرے کے اعتماد پر لارڈ کارنوالس کے معاہدہ کے خلاف کسی دوسرے پر ہرگز اعتماد نہ کیا جائے، اگر دوسرے اس کے خلاف کرین تو حرف ان پر آئے گا، معاہدۂ مذکور کو موجب قیامِ دولت خیال کرنا چاہیئے،

۴۔ کل عید کا دن ہے، نورچشمون کو دیکھنے کے لیے دل بہت چاہتا ہے، اگر مرضیِ نورچشمان ہو تو ملاقات کے لیے سواری آئیگی،

اس طرح بسا مرتبہ صرف خیریت دریافت کرنے کے لئے بہرام جنگ بہادر کو روانہ کیا جاتا، بعض وقت ارشاد ہوتا کہ استادون کو کہکر تدریس سے چھٹی دلائی جائے کہ بچون کو اس سے بہت خوشی ہوتی ہے،

بہرام جنگ بہادر بیان کرتے ہین کہ غلام علی خان بہادر اور علی رضا خان بہادر وکلاے سلطان نے چند مرتبہ سلطان کی جانب سے یہ پیغام نواب والاجاہ بہادر کو کہلایا کہ سلطان کی یہ کمال خواہش ہے کہ ان دونون

صاحبزادون کی نسبت نواب والاجاہ بہادر کی صاحبزادیون سے عمل مین آئے، دونون وکلا نے اپنی طرف سے یہانتک بھی کہا کہ صاحبزادیان "بیگم ہاے معتبر کے بطن سے بھی نہ ہون تو بھی کوئی مضائقہ نہین، نواب والاجاہ بہادر نے جواب دیا کہ اپنے بوڑھاپے کی وجہ سے صاحبزادیون کی کمسنی کے باوجود ان کی نسبتین اہل قرابت مین پہلے ہی قرار پا چکی ہین، اور اب ان کی شادیان بھی یکے بعد دیگرے ہو رہی ہین،

نواب والاجاہ بہادر کی مرضی تھی کہ ٹیپو سلطان کی صاحبزادی کی نسبت اپنے فرزند حسین نواز خان کے ساتھ قرار پائے، اس بارہ مین باہمی استمزاج بھی ہوا، لیکن آخر الامر نواب صاحب نے اس کو مناسب نہ جان کر خیال ترک کر دیا،

ایک مرتبہ نواب والاجاہ بہادر نے بہرام جنگ بہادر کی وساطت سے ہر دو وکلائے سلطان کو کہلا بھیجا کہ "چیزے مخفی" بالمشافہہ خلوت مین کہنا ہے، دونون صاحب مثلاً مسجد دیکھنے آئین، جو مدراس مین جدید تعمیر ہوئی ہے، وہان اپنے لڑکے نواب عمدۃ الامرا کو روانہ کیا جائیگا، چنانچہ دونون وکلا مسجد دیکھنے کے بہانے سے آئے، نواب عمدۃ الامرا بہادر بھی وہان آئے اور ملاقات عمل مین آئی، جو گفتگو ہوئی اس سے بہرام جنگ بہادر اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہین،

سلطان شہید کے دونون فرزند مدراس سے روانہ ہوے، نواب والاجاہ بہادر نے خلعت و جواہر و ہاتھی بطور محبت و ارتباط عنایت کئے، سلطان شہید نے اپنی شکر گذاری ظاہر کی اور غلام علی خان نے بہرام جنگ بہادر کو خطِ شکر گذاری روانہ کیا،

بہرام جنگ بہادر نے لکھا ہے کہ

"نیاز مند مدت شش سال در حضور نواب والاجاہ بہ کمال دیانت و راستی و محبت شبانہ روزے سرانجامِ خدماتِ مفوضہ خود نمودہ، و دیگر امورات سرکار یعنی سوال و جواب صاحبان حکومت و دیگر صاحبان انگریز کہ معرفت نواب عمدۃ الامرا بود، نواب والاجاہ درمیان خود و نواب عمدۃ الامرا

نیازمند را واسطِ سوال و جواب مذکورہ داشتہ بودند آن را نیز بخوبی و درستی تمام بتقدیم رسانیدہ از ابتدائے گورنری سر چارلس ردگلی صاحب و جنرل مندوس بہادر وہنگام تشریف فرمائی مارکوئیس کنواِلس بہادر در استقرار قرار نامہ مارکوئیس کنواِلس بہادر و اوقات گورنری لارڈ ہوبرٹ بہادر بسا سوال و جواب متعلقہ اہل حکومت معرفت عمدۃ الامراء بوساطت خود نزد نواب والاجاہ بخیر و خوبی و صلاح طرفین بعمل آوردہ۔"

نواب والاجاہ بہادر کے انتقال کے بعد نواب عمدۃ الامراء بہادر کے عہد مین بھی بہرام جنگ بہادر کے اعزاز و مراتب حسب سابق باقی رہے اور خدمات مفوضہ بہ خیر خواہی و بہ درستی سرانجام پاتے رہے، نواب عمدۃ الامراء بہادر کو کمپنی کے قرضہ وغیرہ کی ادائی کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی تو بہرام جنگ بہادر کے ذریعہ اُن کے نام اور تمسک سے بعض انگریزون یا دوسرے ساہوکارون سے قرضہ حاصل کیا جاتا، چنانچہ نواب عمدۃ الامراء بہادر کے انتقال کے وقت بہرام جنگ بہادر کے ذمہ ۲۳ ہزار ہون قرضہ سرکاری باقی تھا اور اُن کے بھائی حافظ احمد خان اعظم یار جنگ کے ذمہ ۸۰ ہزار ہون[1]،

نواب عمدۃ الامراء بہادر مرض الموت سے فرش ہو گئے، بہرام جنگ بہادر شب و روز ڈیوڑھی پر حاضر رہتے، نواب صاحب نے اپنے انتقال سے پہلے نجیب خان بہادر اور تقی علی خان بہادر کو اپنے ۱۰ سالہ فرزند محمد علی حسین خان تاج الامراء بہادر کی نیابت اور اعانت پر مامور کیا تھا اور بہرام جنگ بہادر کو ہر وقت پاس رہ کر حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا،

صاحبانِ حکومت نے نواب تاج الامراء بہادر کو مسندِ حکومت سے محروم کر دیا اور نواب عظیم الدولہ بہادر کو وظیفہ یاب نواب کی حیثیت مین مسند نشین کیا، بہرام جنگ بہادر سوال و جواب کے آخر تک نواب تاج الامراء بہادر کے پاس رہے تا آنکہ کرنل میکنل نے انھین حکم بھیجا کہ "بخانہ خود بروند" اور اسی پر بہرام جنگ بہادر خانہ نشین ہو گئے،

[1] ایک ہون کے ڈھائی روپے ہوتے ہین

بہادر خانہ نشین ہو گئے،

بعد ازان بہرام جنگ بہادر سے نواب عظیم الدولہ بہادر نے بارہا خواہش کی کہ وہ دربار مین حاضر ہون، بالآخر ایک معتمد علیہ کے ذریعہ سے ان کے دربار مین باریابی ہوئی، نواب صاحب نے ان کی مرہونہ جائداد چھوڑ دینے کا وعدہ کیا، ڈیڑھ ماہ تک بہرام جنگ بہادر نے نواب صاحب کے کاروبار انجام دئے، بہرام جنگ کے خلاف صاحبانِ حکومت کو شبہہ پیدا ہو گیا تھا، نواب صاحب کو بھی ان کے خلاف سمجھا دیا گیا، اس لئے پھر ان کو دربار مین حاضر ہونے سے روک دیا گیا،

بہرام جنگ بہادر نے اپنی درخواست الفاظِ ذیل پر ختم کی ہے :۔

"بعد نظم و نسق صاحبان حکومت در کرناٹک جاگیر است اکثر مردم اجرا یافتند مگر جاگیر نیازمند کہ در چندین حقوق از سرکار یافتہ بود جاری نہ گردیدہ ہفصد و پنجاہ ہون در ماہہ بنام نیازمند مقرر شدند چون معاملہ قرض مستر لتور کہ اصل مع سود ہیجدہ ہزار ہون شدہ با دای چہار ہزار چہار صد ہون سالانہ فیصلہ یافت بہ لاچاری در دست زر ماہوار مذکور بہ موحی الیہ رسانیدن مقرر نمودہ نیازمند با خاندان کثیر از فروختن ہمگی اسباب و سرانجام خانہ و اسپان سواری وغیرہ بکمال تکلیف شب را بہ روز و روز را بہ شب می رساند حالا مع خاندان خود از تصدیعات جان بلب رسیدہ، باظہار حالات خود پرداخت، از بزرگی و ترحم و انصاف عمیم کہ خاصہ قوم عظیم الشان انگریز است با ہزاران امید خواہان انصاف و ترحم است، اگر از روے عدالت و انصاف و شرع با تجربہ کار صاحبان انگریز تقصیر بر نیازمند ثابت شود سزاے آن حاضر است و در صورت بے تقصیری بہمہ وجوہ امید دارد کہ بزرگی و ترحم و انصاف این قوم با وفا نخواہد پسندید کہ با وجود چندین حقوق از جاگیر خود محروم ماند و در دست قرض خواہان سرکار گرفتار و از تکالیف اخراجات مع توابع کثیرہ ہلاک باشد، ترحم و انصاف ضرور۔"

اس کے بعد چار ماہ کے اندر اندر ان کا انتقال ہوگیا،

شیخ محمد تلمسانی کے دوسرے فرزند حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر اپنی مسجد کی وجہ سے مدراس مین آج بھی مشہور ہین، وہ اپنے عہد مین مدراس مین ریاضیات کے مسلم الثبوت ماہر تھے، ریاضی مین ان کی ضخیم فارسی تصانیف اس وقت بعض کتب خانون کی زینت ہین،

معارف:- حافظ احمد خان اعظم یار جنگ بہادر کی ایک کتاب ریاضیات مین فارسی زبان مین مرآة ... کے نام سے جو ۱۲۶۲ھ کی لکھی ہوئی ہے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن مین موجود ہے، (فہرست کتب خانہ آصفیہ ص ۸۲۰)

طبقات الامم

اندلس کے نامور فاضل قاضی صاعد اندلسی المتوفی ۴۶۲ھ کی جس مین انھون نے اپنے زمانہ تک کی تمام قومون کی عموماً اور مسلمانون کی خصوصاً علمی و ادبی تصانیف اور علوم و فنون کی تاریخ عربی مین لکھی تھی، قاضی احمد میان اختر جوناگڈھی نے اس کو عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، اور جا بجا حاشیون مین علماء اور فلاسفہ کے حالات اور تصانیف کے متعلق مزید معلومات فراہم کئے ہین،

ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت عہ

دنیائے اسلام اور خلافت

موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کے لئے دنیا کی مسلمان قومین کیا جد و جہد کر رہی ہین مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین،

قیمت ۶ر ضخامت ۵۰ صفحے،

"منیجر"

شیخ سعدی کا تخلص سعد کے نام پر ہے

(۲)

از مولوی محمد اعجاز حسن خانصاحب رئیس پٹنہ،

شیخ کا نام مشرف الدین بعض نے شرف الدین بعض نے مصلح الدین لکھا ہے، شیخ نے صرف اپنا تخلص اپنے نام کے عوض لکھا ہے، کہین اپنا نام نہین لکھا، اہل کمال ہمیشہ اپنے لقب سے اور شعرا اپنے تخلص سے مشہور ہوتے ہین، عنصری، فردوسی، منوچہری، نظامی، انوری وغیرہ وغیرہ کا نام کوئی جانتا نہین، یہ سب اپنے تخلص سے شہرۂ آفاق ہوے، اسی طرح شیخ بھی اپنے تخلص سے مشہور ہین، ان کے نسب کا حال کسی کتاب سے مجھکو نہین ملا اکثر اہل کمال باوجود عالی نسب ہونے کے اپنے نسب کو ہضماً للنفس بیان نہین کرتے، نہ اس کا فخر کرتے، شیخ نے بھی کہین اس کا اظہار نہین کیا، اگرگمان غالب بلکہ یقین یہ ہے کہ عربی النسل تھے، ان کا ایک شعر عربی النسل ہونے پر دلالت کرتا ہے،

شاید کہ بپادشہ بگوئید ترک تو بریخت خون تاجیک

تاجیک اصل مین تازیک ہے جو عربی عجم مین آکر رہ گیا، اس کی اولاد کو اہل عجم تازیک کہتے تھے، اسی بنا پر شیخ نے آپ کو تاجیک کہا ہے،

ان کے خاندان کے لوگ عالم و فاضل تھے، فرماتے ہین،

ہمہ قبیلۂ من عالمان دین بودند مرا معلم عشق تو شاعری آموخت

ان کے والد بزرگوار ان پر نہایت مہربان تھے، ہمیشہ ان کو ساتھ رکھتے تھے، ایک بار یہ اپنے والد کے ساتھ

عید کے دن باہر نکلا اس وقت یہ بہت بچے تھے اس حکایت کو بوستان مین یون بیان کیا ہے:۔

ہمی یاد دارم ز عہدِ صغر — کہ عیدے برون آمدم با پدر

بازیچہ مشغول مردم شدم — وز آشوبِ خلق از پدر گم شدم

برآوردم از ہول و دہشت خروش — پدر ناگہانم بمالید گوش

کہ اے شوخ چشم آخرت چند بار — بگفتم کہ دستم ز دامن مدار

بہ تنہا نداند شدن طفل خرد — کہ مشکل توان راہ نا دیدہ برد

تو ہم طفل راہی بسعی اے فقیر — برو دامنِ نیک مردان بگیر

ان کے والد بڑے مدبر آئین تربیت و اخلاق کے بڑے ماہر تھے، روک ٹوک کیساتھ ان کی طبیعت کی شگفتگی و دلچسپی کا بھی خیال رکھتے تھے کہ بشاشت تربیت کی روح ہے، استاد کو شاگرد کی طبیعت کا بھی خیال رکھنا ضرور ہوتا ہے، ان کے لیے لوح و دفتر خرید کئے تو ان کو ایک انگوٹھی سونے کی عنایت کی، اس زمانہ مین بھی یہ بہت کم سن تھے، فرماتے ہین:۔

ز عہدِ پدر یاد دارم ہمی — کہ بارانِ رحمت برو ہر دمی

کہ در خردیم لوح و دفتر خرید — ز بہرم یکے خاتم زر خرید

بدر کرد ناگہ یکے مشتری — بخرمائے از دستم انگشتری

شیخ اپنے والد کی صحبت مین زہد و عبادت کی طرف بہت مائل تھے، اپنے والد کے ساتھ راتون کو اٹھکر عبادت کرتے، گلستان مین ہے:۔

"یاد دارم کہ در ایامِ طفولیت متعبد بودم و شب خیز و مولع زہد و پرہیز تا شبے در خدمتِ پدر نشستہ بودم و ہمہ شب دیدہ برہم نزدہ و مصحف مجید در کنار گرفتہ و طائفہ گرد ما خفتہ، الخ (باب دوم)

بوستان مین فرماتے ہین:۔

بطفلی درم رغبت روزہ خواست — ندانستمی چپ کدام ست و راست

مگر افسوس کہ شیخ کی کمسنی مین ان کے والد کا انتقال ہوگیا، اپنی یتیمی کا حال بوستان مین یون لکھتے ہین:۔

من آنگہ سرِ تاجور داشتم — کہ سر در کنارِ پدر داشتم

اگر بر وجودم نشستے مگس — پریشان شدے خاطرِ چند کس

کنون گر بزندان برندم اسیر — نباشد کس از دوستانم نصیر

مرا باشد از دردِ طفلان خبر — کہ در طفلی از سر برفتم پدر

گلستان کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آغاز جوانی تک شیراز مین رہے،

"وقتے بجہل جوانی بانگ بر مادر زدم دل آزردہ بکنجے نشست و گریان ہمی گفت مگر ایام خردی فراموش کردی کہ درشتی می کنی،" الخ (باب ششم)

قرین قیاس یہ ہے کہ یہ واقعہ شیراز سے باہر جانے کے پہلے کا ہوگا، ورنہ عقل قبول نہین کرتی کہ عالم اور صوفی ہوکر جب شیراز واپس آئے ہونگے تب ایسی گستاخی کی ہوگی،

شیراز علم و دانش مین ہمیشہ سے شہرۂ آفاق تھا اس شہر کا لقب دار العلم تھا، ان کے خاندان مین سب عالم و فاضل تھے، باپ کمسنی ہی مین مرچکے تھے، ماں نے لاڈ پیار سے پالا ہوگا، ابتدائی تعلیم اپنے گھر مین پائی ہوگی پھر بغداد گئے ہونگے اس زمانہ مین بغداد ایسا تھا جیسا اس زمانہ مین لندن، پیرس یا برلن، بغداد پہنچکر مدرسہ نظامیہ مین داخل ہوئے، مدرسہ سے وظیفہ مقرر ہوا، چونکہ نہایت ذہین و طباع تھے مزاج مین غیر معمولی جرأت و ہمت تھی علم و تحقیق کا شوق فطری تھا طالب العلمون سے بحث و تکرار خوب رہتی تھی، فرماتے ہین:۔

مرا در نظامیہ ادرار بود — شب و روز در بحث و تکرار بود

مر استاد را گفتم اے پر خرد — فلان یار بر من حسد می برد

چو من داد معنی و ہم در حدیث — برآید بہم اندرون خبیث

بغداد وغیرہ عراقِ عرب و بلادِ شام و افریقہ مین زیادہ حصہ ایامِ جوانی کا بلکہ زندگانی کا صرف ہوا گلستان بوستان وغیرہ مین جو حکایتین خاص آپ بیتی لکھی ہین وہ اکثر اسی علاقہ کی ہین، دوسرے ملکون جیسے ہندوستان ترکستان وغیرہ کی بھی ہین مگر کم ہین، ممالکِ اسلامیہ عراق و بلادِ شام مین نہایت عزت کے ساتھ رہتے تھے باوجود عجمی (یعنی عجم مین پیدایش و بود و باش) ہونے کے ممالک عربیہ مین تبلیغ و وعظ کہتے اہلِ عرب گوشِ دل سے سنتے ملوکِ عرب ان کی خدمت مین حاضر ہوکر طالبِ دعا ہوتے، یہ اُن کو نصیحت کرتے چونکہ سیاحی کا دائرہ بہت وسیع تھا، سیر و سیاحت مین مختلف حالتین اُن پر گذرتین، عہدِ صلیبی مین قیدِ فرنگ کی مصیبت جھیلی، کبھی پانون مین جوتے نہین تو ننگے پاؤن پھرے، کبھی معتکف ہوکر گوشہ نشین ہوے، کبھی قاضی کی مجلس مین علمی مباحثہ مین شریک ہوکر اپنے حسنِ تقریر سے دادِ فصاحت و بلاغت دی اور علماے مجلس پر غالب ہوے، کبھی ہندوستان مین آئے تو سومنات کے مندر مین رہے، کبھی صوفیون کے حلقہ مین رہے، مجلسِ سماع مین شریک رہے، ان کے زمانہ مین بڑے بڑے اکابرِ فن کے موجود تھے، غالبًا سب سے ان سے ملاقاتین رہی ہونگی، مگر کسی کا نام نہین لکھا، اپنے اساتذہ مین سے صرف علامہ ابن جوزی کا نام لکھا ہے جن کا ذکر گلستان مین ہے، اپنے پیر کا بھی نام لکھا ہے فرماتے ہین

مرا پیرِ دانائے مرشد شہاب ۔۔۔ دو اندرز فرمود بر روے آب
یکے آنکہ بر غیر بدبین مباش ۔۔۔ دگر آنکہ بر خویش خودبین مباش

ان دو بزرگون کے سوا اور کسی کا نام نہین لکھا ہے، جس سے ان سے ملاقات ہونے کا یقین کیا جائے

حضرت غوث الاعظم کے متعلق اوپر لکھا جاچکا ہے، یہ بھی نہین معلوم ہوتا کہ کس ملک مین کتنی بار آمد و رفت کا اتفاق ہوا مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مدتِ دراز کے بعد شیخ نے گھر کی طرف رخ کیا، جب گھر پہنچے ہین تو اس وقت ابوبکر بن سعد زنگی بادشاہ تھا، آپ نے یہ قطعہ کہا جس مین مجمل طور پر گویا تمام دنیا کی سیر کا مختصر ذکر کر دیا ہے، وہ قطعہ یہ ہے

وجودم بہ تنگ آمد از جورِ تنگی ۔۔۔ شدم در سفر روزگارے درنگی
جہان زیر پے چون سکندر بریدم ۔۔۔ چو یاجوج بگذشتم از سدِ سنگی

چو باز آمدم کشور آسودہ دیدم ۔۔۔ ز گرگان بدر رفتہ آن تیز چنگی
خطا ماہرویان چو مشکِ تتاری ۔۔۔ سر زلفِ خوبان چو درعِ فرنگی
بنام ایزد آباد و پر ناز و نعمت ۔۔۔ پلنگان رہا کردہ خوے پلنگی
چون مردے چون ملکِ نیک محضر ۔۔۔ برون لشکرے چون ہزبرانِ جنگی
بگفتم کہ این کشور آسودہ کے شد ۔۔۔ کسے گفت سعدی چہ شوریدہ رنگی
چنان بود در عہدِ اول کہ دیدی ۔۔۔ جہانے پر آشوب و تشویش و تنگی
چنین شد در ایام سلطانِ عادل ۔۔۔ اتابک ابوبکر بن سعد زنگی

یہ تو معلوم نہین ہو سکتا کہ ابوبکر بن سعد زنگی کے زمانہ مین کب شیخ شیراز پہنچے تھے، لیکن ان کے کلام اور اس زمانہ کے حالات پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغداد کی تباہی کے بعد بھی شیراز آئے ہین، بغداد کی تسخیر کے ارادہ سے ہلاکو خان اوائل محرم ۶۵۵ھ مین لاؤ لشکر کے ساتھ چلا ہے، یہ اس وقت کہان تھے اس کا پتہ نہین لگتا لیکن بوستان انھون نے ماہ ذیقعدہ ۶۵۵ھ مین تمام کی ابتدا مین شیراز آنے کا حال لکھا ہے، ابوبکر کی مدح بھی ہے، اس لیے یقین کرنا پڑے گا کہ ۶۵۵ھ کے ماہ ذیقعدہ مین وہ اپنے شہر مین تھے اس مین ایک شعر ابوبکر بن سعد کی تعریف مین ہے، جس سے پایا جاتا ہے کہ ہلاکو اور ابوبکر بن سعد مین اتفاق ہوگیا ہے، "ابوبکر نے روپے اور تحائف بھیجکر اپنی فرمانبرداری کا اظہار کیا ہے، اس سبب سے ہلاکو نے ابوبکر بن سعد کے ممالک مقبوضہ کو ہاتھ نہین لگایا" یہ حالات تو کتبِ تاریخ سے معلوم ہوتے ہین، شیخ نے صرف اس شعر مین اشارہ کر دیا ہے، کہتے ہین، ؎

ترا سدِ یاجوج کفر از زر است ۔۔۔ نہ رویین چو دیوار اسکندر است

مطلب یہ کہ سکندر نے لوہے کی دیوار بناکر لوگون کو یاجوج سے بچایا تھا تو نے یاجوج کفر (یعنی چنگیزی کفار کے بادشاہ ہلاکو) سے بچایا ہے، فی الحقیقہ عام مسلمان امرا علما صلحا اور اشراف کے لیے مامن و ملجا صرف شیراز تھا، یا ہندوستان، مگر ہندوستان بہت دور تھا، عام مسلمان شیراز وغیرہ ممالک زیر حکومت ابوبکر بن سعد زنگی مین

پناہ لیتے تھے، شیخ نے اسی وجہ سے تعریف کی ہے، الغرض یہ ٹھیک پتہ نہین لگ سکتا کہ شیخ کس زمانہ مین کہان رہے، بوستان کے بعد گلستان ۶۵۶ھ مین لکھی، ان دونون کتابون کے تمام کرنے کے وقت وہ یقیناً شیراز مین تھے، لیکن شیخ نے عربی مین قصیدہ بغداد کی تباہی پر لکھا ہے، اس سے یہ قیاس کرنا پڑتا ہے کہ بغداد کی تباہی یعنی تاتاریون کے حملہ کے وقت وہ بغداد مین یا اسی طرف کے کسی شہر یا قریہ مین رہے ہونگے، مرثیہ کے اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر خود اس کی بربادی دیکھ رہا ہے، اس وقت بغداد وغیرہ کی دردناک حالت کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ شیخ بوستان اور گلستان لکھتے وقت یعنی ۶۵۵ھ اور ۶۵۶ھ کے درمیان کب تک کہان رہے، بہرحال یہ یقین کرنا ضرور ہے کہ اپنی دونون مشہور و مقبول تصنیف کے وقت وہ اپنے وطن شیراز مین تھے، اور حملۂ تاتاری کے وقت وہ بغداد مین یا اس کے قرب وجوار مین تھے، اسکا ماننا تو ضرور ہے کہ سیر و سفر مین مدتین گذر جاتی تھین، تب یہ واپس گھر کے طرف رخ کرتے تھے، بوستان مین شاطر سپاہانی کی حکایت ہے اس کے چند شعر لکھتا ہون، جس مین سے کچھ ان کے سفر و واپسی و امتداد زمانہ کا حال قیاس مین آسکتا ہے، وہ اشعار یہ ہین،

مرا در سپاہان یکے یار بود کہ جنگ آور و شوخ و عیار بود
مدامش بخون دست و خنجر خضاب بر آتش دل خصم ازو چون کباب
ندیدمش روزے کہ ترکش نبست ز پولاد پیکانش آتش نہ جست
بروئی چو او ناوک انداختے عدو را دو تن از یک انداختے
نمردی او را نہ در مردمی دوم در جہان کس شنید آدمی
مرا یک دم از دست نگذاشتے کہ بار است طبعان سر داشتے
سفر ناگہ از ان زمین در ربود کہ بیشم در ان بقعہ روزی نبود
قضا نقل کرد از عراقم بشام خوش آمد در ان خاک پاکم مقام

دگر پر شدہ از شام پیمانہ ام کشید آرزومندی خانہ ام
شبے سر فرو بردہ اندیشہ ام بدل بر گذشت آن ہنر پیشہ ام
نمک ریش دیرینہ ام تازہ کرد کہ بودم نمک خوردہ از دست مرد
بدیدار وے در سپاہان شدم بمہرش طلبگار و خواہان شدم
جوان دیدم از گردش چرخ پیر خدنگش کمان ارغوانش زریر
چو کوہ سفیدش سر از برف موی روان آبش از برف پیری بروی
بدر کردہ گیتی غرور از سرش سر ناتوانی بزانو برش
بدو گفتم اے سرور شیر گیر چہ فرسودہ گشتی چو روباہ پیر
بخندید کز روز جنگ تتر بدر کردم آن جنگجوئی ز سر الخ

اس حکایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ اپنے بہادر جنگ جو دوست کو پہلی ملاقات کے وقت جوان دیکھ چکے تھے، جب اصفہان سے شام آئے تو اتنے زمانہ دراز کے بعد شام سے گھر کی طرف لوٹے اور رستہ مین اصفہان پہنچکر اپنے دوست سے ملاقات کی ہے کہ اس وقت ان کے دوست از کار رفتہ بڈھے پھوس ہو گئے تھے اور ان سے جنگ تاتار کا حال بیان کیا، جس مین وہ خود شریک ہوے تھے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اس زمانہ مین بلاد شام مین تھے، کہ وہان سے واپسی مین جنگ کے حالات ان کو اپنے دوست سے معلوم ہوے جو اس پر گذرے تھے،

ایک موقع پر وہ شیراز آئے ہین تو ایک قطعہ لکھا جس کے چند اشعار لکھے جاتے ہین، پورا قطعہ کلیات مین موجود ہے،

سعدی اینک بقدم رفت و بسر باز آمد مفتی ملت ارباب نظر باز آمد
تو مپندار کہ آشفتگی از سر بنہاد باز بیہوشی و مستی بخبر باز آمد

دل بخویشتن و خاطر شور انگیزش   ہمچنان یادگی وتن بحضر باز آمد

سالہا رفت مگر عقل و سکون آموزد   تا چہ آموخت کزان شیفتہ تر باز آمد

دہ کہ چون تشنہ دیدار عزیزان می بود   گوئیا آب حیاتش بجگر باز آمد

خاک شیراز ہمیشہ گل سیراب دہد   لاجرم بلبل خوشگوے دگر باز آمد

حاش از شام بشیراز بخسرو مانست   کہ باندیشہ شیرین ز شکر باز آمد

بوالعجب بود کہ نفسے بمرادے برسید   فلک خیرہ کش از جور مگر باز آمد

اخیر عمر مین برابر قیام شیراز مین رہا ہوگا، سلطان محمد خان شہید نے دو بار شیخ کی خدمت مین آدمی بھیجے کہ شیخ شیراز سے ہندوستان مین تشریف لاکر قیام فرمائین، مگر شیخ نے دونون بار ضعف پیری کا عذر کرکے آنے سے انکار کیا،

شیراز مین گھر بنایا تھا تو یہ قطعہ لکھا،

حقیقت است کہ دنیا سراے عاریت است   براے نشستن و برخاستن نفر باید

من این مقام نہ از بہر آن بنا کردم   کہ پنج روزہ بقا اعتماد را شاید

بلے بنیت آن تا چو رخت بر بندم   بجاے من دگرے ہمچنین بیاساید

وزین قدر نہ گریز ست مرغ و ماہی را   بقدر خویش حقیر آشیانہ شاید

مرا بے دام ہمالیست نیک بختان را   بود کہ در ہمہ عمرت یکے بدام آید

بسا کسا کہ گرش در بروے بگشائی   سعادت ابدت در بروے بگشاید

حلال نیست کہ صورت کنند بر دیوار   کہ رد شرع بود ز و خلل بیفزاید

خلاف عہد زمان بے خلاف معلوم است   کہ ہیچ چیز نہ بخشد کہ باز بر باید

گراہل معرفتی دل مبند بر دنیا   کہ دوستی ست کہ با دوستان نمی پاید

ہمین نصیحت سعدی بآب زر بنویس   کہ خانہ را کس ازین خوب تر نیاراست

شادی ان کی رئیس حلب کی دختر سے ہوئی تھی جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، پھر اس کی مفارقت کے بعد دوسری شادی کی یا نہین، اس زمانہ مین بہت کم تجرد کا رواج تھا، پھر شادی ضرور کی ہوگی، بوستان مین ایک جگہ عورتون کا ذکر و مذمت کرکے فرماتے ہین،

اگر یک زمان در کنارش کشی   تو ہم جور بینی و بارش کشی

یمن کے شہر صنعا مین لڑکا ان کا مرگیا تو ان کو اس کا ایسا غم ہوا کہ ہوش جاتا رہا، غایت اضطراب مین اسکی قبر کا پتھر اوکھیڑ ڈالا، اس سے یقین ہوتا ہے کہ رئیس حلب کی دختر کے سوا اور بھی بیوی کی ہوگی، پچاس برس کا زمانہ گذرا کہ موضع نگرنہسہ ضلع پٹنہ مین ایک ایرانی مع اپنی ایرانی بیوی کے اگر مقیم رہے، وہین انکا انتقال ہوگیا، وہ اپنے کو شیخ کی نسل سے کہتے تھے،

شیخ کی طبیعت مین جوش اور بے باکی کے ساتھ خودداری و پرہیزگاری اعلیٰ درجہ پر تھی، ایام جوانی کی بعض نقلین اپنی نہایت صفائی سے لکھی ہین، ان سے یہ خصائل حمیدہ صاف ظاہر ہوتے ہین، ایک حکایت اپنی اس طرح شروع کی ہے،

"در عنفوان جوانی چنانکہ افتد و دانی با شاہدے سرے و سرے داشتم بحکم آنکہ حلقے داشت طیب الادا و خلقے کالبدر اذا ابدا. . . . . اتفاقاً بخلاف طبع از وے حرکتے بدیدم دامن ازو درکشیدم و مہرہ مہر برچیدم و گفتم ؎

برو ہرچہ می بایدت پیش گیر   سر ما نداری سر خویش گیر الخ (باب پنجم)

اگر شائبہ ہوا و ہوس کا ہوتا تو اس کی ایک حرکت سے اتنا خفا نہ ہوتے کہ دوستی ترک کردیتے،

دوسری حکایت یہ ہے:-

"رفیقے داشتم کہ سالہا باہم سفر کردہ بودیم و نمک خوردہ و حقوق نعمت بیکران ثابت شدہ

آخر بسبب اندکے نفع آزار خاطر من روا داشت و دوستی سپری شد و با این ہمہ از ہر دو طرف دلبستگی بود، الخ

ان دونون حکایتون سے ظاہر ہے کہ دوستی کے پکّے تھے، سچی محبت کیساتھ خودداری تھی، اگر دوسرون کا معاملہ ان کے ساتھ ایسا نہ تھا غالباً یہی وجہ تھی کہ باوجود شہرت وعظمت کے کہ کسی شاعر کو نصیب نہین ہوئی اور شوقِ سفر و سیاحت کے کہ بہت کم سیاح شیخ کے برابر گذرے ہین، عام لوگون سے ملتے جلتے کم تھے، خود فرماتے ہین،

بگویند ازین حرف گیران ہزار | کہ سعدی نہ اہل ست و آمیزگار
روا باشد ار پوستینم درند | کہ طاقت ندارم کہ مغزم برند

شیخ نے اپنی عمر مین عجائب وغرائبِ عالم وانقلابِ روزگار بہت دیکھے، ان سب مین فتنۂ چنگیز سب سے بڑا انقلاب تھا، اس نے ممالکِ اسلامیہ کو جو تمدن وعلم کے منبع ومرکز تھے سب کو تباہ وبرباد کر دیا، اس کی آگ نے تر وخشک سب جلا دیا، شیخ کا شہر شیراز بھی گردشِ آسمانی سے نہ بچ سکا، خاندانِ سلغریہ کی تباہی کے بعد تاتاری حکومت شیراز مین بھی ہو گئی، اگر شیخ کی عظمت چنگیزیون کے دل مین تھی، شیراز کے حاکم کو جو چنگیزی تھا، ایک نصیحت نامہ لکھا ہے، جو شیخ کی کلیات مین موجود ہے، معلوم ہوتا ہے وہ خود شیخ سے نصیحت سننے کا خواہشمند تھا، شیخ نے اس کی ارادت وعقیدت دیکھکر اس کے نام سے قصیدہ لکھا ہے، اس کے چند اشعار یہ ہین،

جہان سالار عادل انکیانو | سپہدار عراق وترک ودیلم
کہ روز بزم بر تختِ کیانی | فریدون ست و روزِ رزم رستم
چنین پند از پدر نشنیدہ باشی | الا اگر ہوشیاری بشنو از عم
چو یزدانت مکرم کرد ومخصوص | چنان زی درمیانِ خلقِ عالم

کہ گر وقتے مقامِ بادشاہت | نباشد ہم چنان باشی مکرم
نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ | سخن ملکیست سعدی را مسلم

چنگیز خان اور اسکی اولاد کی سلطنت مین یہ عجیب بات تھی کہ اس کی سلطنت مین علما وفضلائے اہلِ اسلام بڑے بڑے عہدون پر تھے، شمس الدین صاحب دیوان وزیر اعظم تھے، دار ومدار سلطنت کا ان پر تھا، ان کے چھوٹے بھائی علاؤ الدین عطا ملک بغداد وغیرہ عراق عرب کے گورنر تھے، ان دونون بھائیون کی بدولت اہل وعلم وہنر کی حالت درست ہو گئی، یہ دونون بڑے عالم وشاعر، ہنر دوست، علم پرور، صاحب جود وکرم تھے، ان دونون بھائیون کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی، ایک بار شمس الدین صاحب دیوان صاحب دیوان نے پانچ سو دینار اور ایک دستار بھی شیخ کو بھیجی تھی، صاحب دیوان کا ملازم جب چلا اور اصفہان پہنچا تو اس نے ڈیڑھ سو دینار لیکر کسی تاجر کے پاس رکھدیئے، شیراز پہنچکر شیخ کے حضور مین خط اور تین سو پچاس دینار رکھدیئے، شیخ کو خط کے مضمون سے حال معلوم ہو گیا، نوکر سے کہا کہ کل آؤ تو جواب دونگا، اب صاحب دیوان کے پانچون سوال لکھتا ہون،

سوال اوّل، دیو بہتر یا آدمی، **سوال دوم** مراد شخصے ہست کہ با من دوست نمی گردد، **سوال سوم**، حاجی بہتر یا غیر حاجی، **سوال چہارم** علوی فاضل تر یا عامی، **سوال پنجم**، آنکہ بدست دارندہ خط ودستارے از برائے آن پدری رسد و پانصد دینار از برائے علوفۂ مرغان آن را قبول فرمایند

جواب از شیخ سعدی

شرائف اوقات فرزند عزیز دام بقائہ، بوظائف طاعات وخیرات آراستہ باد،

ای کہ پرسیدیم از حالِ بنی آدم و دیو | من جوابت بگویم کہ دل از کف ببرد
دیو بگریزد ازان قوم کہ قرآن خوانند | آدمی زادہ نگہ دار کہ قرآن ببرد

دوسرے سوال کا جواب

اولین باب تربیت پندست   دویمین توبه خانه و بندست

سیومین توبه و پشیمانی ست   چارمین شرط و عهد و سوگندست

پنجمین گردنش بزن که خبیث   بقضاے بد آرزومندست

تیسرے سوال کا جواب

یا ذا العجب پیادہ حاج چون عرصۂ شطرنج بسر می برد فرزین می شود یعنی به از ان میشود کہ بود، و پیادہ حاج بادیہ می پیماید و بتر از ان میشود کہ بود،

از من بگوی حاجی مردم گزاے را   کو پوستینِ خلق بآزار می درد

حاجی تو نیستی شترست از براے آنکہ   بے چارہ خار می خورد و بار می برد

چوتھے سوال کا جواب

بعمر خویش ندیدم جز اینچنین علوی   کہ خمر می خورد و کعبتین می بازد

بروز حشر همی ترسم از رسولِ خدا   کہ از شفاعتِ ایشان بما نپردازد

پانچوان جواب دستار و زر کے بارہ مین،

خواجہ تشریفم فرستادی و مال   مالت افزون باد و خصمت پائمال

ہر بدیناریت سالے عمر باد   تا بمانی سیصد و پنجاہ سال

جب یہ جوابات صاحب دیوان کو ملے تو انھون نے غلام کی تنبیہ کی کہ ایسا تو نے کیون کیا، اس نے کہا کہ آپ خروار خر اور اشرفی شیخ کو بھیجے تھے، وہ قبول نہین کرتے تھے، یہ اشرفیان تو علوفۂ مرغان کے لئے تعین ہین نے اپنے کو مرغ کے مقابلہ مین سمجھکر ایک سو پچاس دینار لے لیے، صاحب دیوان نے اپنے بھائی کو بھیجا اور ایک چک خواجہ جلال الدین ختنی کے نام دس ہزار دینار کی حوالہ کی کہ ان سے اشرفیان لیکر شیخ کی خدمت مین پیش کرین، اور معذرت کرین، حسب اتفاق ان کے شیراز پہنچنے کے چھ دن پہلے خواجہ جلال الدین

کا انتقال ہو گیا تھا، شیخ کو جب یہ حال معلوم ہو گیا تو چند شعر لکھکر بھیجدئے، جب صاحب دیوان کو یہ حال معلوم ہوا تو حکم دیا کہ پچاس ہزار دینار تھیلیون مین رکھین اور شیخ کی خدمت مین لے جائین اور سپارش کرین کہ ان اشرفیون سے شیراز مین آیندہ و روندہ کے لیے ایک بقعہ بنائین، شیخ نے بہت اصرار و قسم دینے پر یہ اشرفیان قبول کین اور اس سے رباط قلعہ فہندر کے نیچے بنوائی،

علامہ مرزا قزوینی نے تاریخ جہان کشاے جوینی کو نہایت محنت و جگر کاوی و جانفشانی سے چند نسخون سے مقابلہ کرکے نہایت صحت کیساتھ چھپوایا ہے، اس سے ان کی غزارت علمی و تبحر آثار تاریخی و استحضار اشعار عرب و قوانین ادب ظاہر و باہر ہے، تاریخ جہانکشا کے مقدمہ مین ان واقعات سے انکار کیا ہے، اس کے ساتھ اس واقعہ سے بھی انکار کیا ہے کہ اباقا خان کے سامنے صاحب دیوان نے شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کی اور شیخ کے ہاتھ پانون پر بوسے دئے، اور ان کے اصرار پر اباقا خان سے شیخ نے ملاقات کی اور شیخ نے اس کو نصیحت کی اور اشعار نصیحت آمیز پڑھے، علامہ موصوف کے الفاظ یہ ہین:-

و بعقیدہ این ضعیف آثار وضع کلاً و بعضاً بر وجنات احوال این دو حکایت لائح است، و در ہر صورت خالی از مبالغہ و اغراق نیست، و مخصوصاً پنجاہ ہزار دینار فرستادن صاحب دیوان براے سعدی و سوگند دادن و شفاعت نمودن براے قبولِ آن و از اسپ پیادہ شدن وے و برادرش در حضور اباقاخان و سر در قدم شیخ مالیدن و بوسہ بر دست و پاے دادن تا اندازۂ منافات دارد با لہجۂ سوال و تقاضاے کہ غالباً سعدی در قصائدِ خود در مدحِ این دو برادر بکار می برد، مثلاً این بیت در خطاب علاؤ الدین،

تو کوہ جودی و من در میان ورطۂ فقر   گر بشرط اتبالت اوفتم بکران ،

و این ابیات در خطاب ہمو (یعنی علاء الدین صاحب دیوان)

علی الخصوص کہ سعدی مجال قرب تو یافت   حقیقت است کہ ذکرش مع الزمان ماند

تو نیز غایت امکان از و دریغ مدار — کہ آن نماند و این ذکر جاودان ماند

وایں بیت در خطاب شمس الدین جوینی،

یقین قلبی انی امال منک غنی — ولا یزال یقینی من الهوان یقین

ونحو ذلک وہمچنین در خطاب باباقاخان بادشاہ مغول بت پرست گفتہ کہ

وگر نہ راعی خلق ست زہر مارش باد — کہ ہرچہ می خورد او جزیۂ مسلمانیست

بغایت مستبعد ست واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ؛

علامۂ موصوف کے تعجب و انکار کی وجہ ان کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب شیخ خود طلب کرتے تھے (یعنی مدحیہ اشعار مین ان کے حسن طلب پایا جاتا ہے) تو ایسی حالت مین شیخ سے انکار و بار بار اصرار و قسم پر نذور کے قبول کی روایت غیر معقول ہے، مین کہتا ہون کہ حسنِ طلب تو ضرور پایا جاتا ہے مگر یہ حسن طلب معمولی شاعری پیشہ لوگون کی طرح نہین ہے، جنکا ذریعۂ معاش صرف شاعری و مدح سرائی اغنیا و ملوک ہے، لیکن ان مین جو غیرت دار تھے وہ بادشاہ تک کی پروا نہین کرتے تھے، فردوسی کو ان کے دوستون نے کہا کہ وزیر سے ملا کرو تو انھون نے کہا

سوے در وزیر چرا ملتفت شوم — چون فارغم زبارگہ بادشاہ نیز

پھر ایسے شعرا جنکا شعار عرفاے کاملین مین ہے ان سے ابتذال و دریوزہ گری کیونکر ممکن ہے، لیکن بادشاہ امرا ان کی خدمت کو اپنی سعادت جانتے تھے اور اصرار کرکے اپنی نذر کو قبول کراتے تھے، یہ لوگ بھی جب شعر کہتے تو عام شعرا کی طرح ایک آدھ شعر یا دو چار اس قسم کی کہدیتے تھے، خواجہ نظامی عزلت نشینی مین مشہور ہین، خود فرماتے ہین،

ہمہ را بردم فرستادی — من نمی خواستم تو می دادی

گر مدحیہ اشعار اسی طرح کہتے ہین جس طرح عام شعراے وظیفہ خوار دنیا دار کہتے، تعریف مین آسمان

زمین کے قلابے ملاتے، اس کی سینکڑون مثالین کتب تاریخ مین موجود ہین، اس کے علاوہ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ شیخ کے اور اشعار کیسے ہین ان کا طرزِ عمل کیا تھا، ان کو اغنیا و ملوک کی صحبت سے سخت نفرت تھی، ان کا بادشاہ ابوبکر جس کی مدح دونون کتابون مین موجود ہے، اور فی الحقیقہ اس وقت کے بادشاہون مین بہت اچھا تھا، اسکے ہان بھی شیخ بہت کم جاتے تھے، الغرض شیخ کے اشعار حسن طلب کو صرف اوپری دل سے حسب دستور شعرا یقین کرنا چاہئے، ان کے قصائد کو بغور پڑھا جائے تو میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، علاء الدین جوینی صاحب دیوان کے شان مین جو قصیدہ ہے اس مین فرماتے ہین ؎

اگر نہ بندہ نوازی ازان طرف بودے — من این شکر نفرستادمے بخوزستان

پھر دوسرے بھائی شمس الدین صاحب دیوان وزیر اعظم کے شان مین فرماتے ہین،

اگر نہ بندہ نوازی ازان طرف بودے — کہ زہرہ داشت کہ دیبا برد بقسطنطین

ان شعرون سے ظاہر ہے کہ ابتدا اخلاق و تواضع کی صاحب دیوان کے طرف سے ہوئی تھی اور یہ دستور اسلاف کا تھا اور راقم السطور کے عنفوان شباب کے زمانہ تک گاہ گاہ اس کی مثال مل جاتی تھی کہ جب کوئی اہل علم مین سے درجۂ امارت سلطنت پر پہنچ جاتا تھا، تو چاہتا تھا کہ اور علما و فضلا مین سے جو گردش روزگار سے مجبور ہین ان کی خدمت کیجائے اور اگر وہ قبول کرین تو سلطنت کے طرف سے ان کے لائق عہدہ دیا جائے، جس سے علم کی شان بڑھے، اور سلطنت کے کام بھی نکلین، خصوصًا جو عزلت نشین ہین اور مطلق توجہ دنیا کے امور کے طرف نہین کرتے اور کسی سے کچھ لینا بھی عار سمجھتے، ان کی خدمت مین یہ امرا حاضر ہوکر دست بستہ عرض کرتے اور بہت الحاح و اصرار پر نذر قبول کراتے، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگون کا نام نیک البتہ زندہ ہی،

میرا مدعا اس تحریر سے یہ ہے کہ یہی حال دونون صاحب دیوان کا تھا، یہ دونون اپنے وقت کے برمکی تھے جس طرح برامکہ کی فیاضی علم دوستی اور جود و کرم مشہور تھا اسیطرح ان دونون کی خوبیان اس زمانہ مین مشہور تھین، الغرض ان دونون بھائیون کی قدرشناسی و عقیدت جو شیخ کے ساتھ تھی اس نے شیخ کو مجبور کیا تھا، ورنہ شیخ کو

کسی کی پروا نہین تھی، علاؤالدین صاحبِ دیوان کے شان مین جو قصیدہ ہے، اس کے دو تین شعر لکھتا ہون جن سے شیخ کی طبیعت کا اندازہ ملے گا، فرماتے ہین،

بخاکِ پاے تو گفتم یمین غیر مکفر — کزان زمان کہ بدانستم از یسار یمین را

براے حاجتِ دنیا طمع بخلق نبردم — کہ تنگ چشم تحمل کند عذاب مہین را

تو قدر فضل شناسی کہ اہل فضل و دانش — شبہ فروش چہ داند بہاے در ثمین را

پچاس ہزار اشرفیان بھیجنے کی روایت یقیناً صحیح معلوم ہوتی ہے، اس روایت کو وضعی و جعلی سمجھنے کے دو سبب ہو سکتے ہین، ایک تو یہ کہ صاحب دیوان شمس الدین جوینی کو اتنا مقدور نہ ہو کہ وہ یہ زرِ خطیر شیخ کے پاس بھیج سکتے، یا صاحب دیوان کو بخل اتنا ہو کہ کسی کو کچھ نہ دیتے ہون، سو یہ دونون گمان غلط ہے، یہ دونون بھائی سلاطین مغول کے وزیر و مشیر تھے، مغلون کے برابر کوئی سلطنت قوت و شوکت و دولت مین نہین تھی جاگیر و انعام و عہدہ کی بدولت یہ دونون بھی بڑے امیر و دولتمند تھے، اس کے ساتھ بڑے عالم و فاضل اور شاعر تھے، ان کا دستور تھا کہ جب کوئی عالم کتاب تصنیف کرکے پیش کرتا تو ایک ہزار اشرفی انعام دیا جاتا، بہت عالمون نے کتابین لکھین، انعام ایک ہزاری کتاب پایا، علاؤالدین عطاملک جوینی نے ایک نہر نجف اشرف تک نکالی، جس کا مبدأ شہر انبار تھا، اس نہر کے کنارے ایک سو پچاس دیہات آباد کئے، غرض ان دونون بھائیون کی فیاضیان خوبیان اتنی ہین کہ یہ دونون اپنے وقت کے برامکہ تھے، ملک العلما علامہ نصیرالدین طوسی نے بھی کتاب انکے نام کے ساتھ معنون کی تھی، یہ دونون اسلام و اہل اسلام علی الخصوص اہل علم و ہنر کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھے، شیخ نے اپنے قصائد مین جو مدح کی ہے وہ مبالغہ شاعرانہ نہین ہے، یہی وجہ ہے کہ ان دونون کے شان مین جو قصائد ہین وہ بہتر قصائد ہین، اس لیے اشرفیان بھیجنے کی روایت غلط نہین ہو سکتی، ہان اس کی تردید ممکن تھی کہ قلعہ قہندز کے پاس جو رباط بنانے کی حکایت علی بن احمد جامع کلیاتِ شیخ نے لکھی ہے، اس کا وجود نہ ہوتا، مگر اس کے وجود کا علامہ میرزا محمد قزوینی نے انکار نہین کیا، نہ کسی اور مصنف نے انکار کیا ہے، اس لیے یقین کرنا چاہئے کہ صاحب

دیوان نے پچاس ہزار اشرفیان بھیجین اور شیخ نے قبول کین اور عمارت (رباط) بنوائی ورنہ شیخ کے پاس اتنا مال کہان سے آتا، نہ جاگیردار تھے، نہ منصب دار جس کی وجہ سے وہ بنواتے، عمارت کے وجود کی توثیق علامہ محمد بن بطوطہ مغربی کے سفرنامہ سے بھی ہوتی ہے، وہ اپنے سفرنامہ مین لکھتے ہین،

ومن المشاهد بخارج شيراز قبر الشيخ	شیراز سے باہر مزارون مین شیخ سعدی کی قبر ہے
الصالح المعروف بالسعدي وكان	وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے شاعر زبان
اشعر اهل زمانه باللسان الفارسي	فارسی کے تھے، اور کبھی اپنے فارسی کلام مین عربی
وربما المع في كلامه بالعربي و	اشعار بھی ملا دیتے تھے، ان کی خانقاہ جسکو
له زاوية كان قد عمرها بذلك	انھون نے بنایا ہے بہت خوبصورت ہے، اسکے
الموضع حسنة بداخلها بستان	اندر خوش نما باغ ہے، یہ خانقاہ نہر رکن آباد
مليح وهي بقرب رأس النهر الكبير	کے قریب ہے، شیخ نے وہان پر سنگ مرمر کے
المعروف بركن اباد وقد صنع الشيخ	چھوٹے چھوٹے حوض کپڑے دھونے کو بنائے
هنالك احواضا صغارا من المرمر	ہین، لوگ شہر سے ان کی زیارت کو جاتے ہین،
لغسل الثياب فيخرج الناس من	اور ان کے دسترخوان سے کھانا کھاتے ہین،
المدينة لزيارته ويأكلون من	اور نہر سے کپڑے دھوتے ہین، اور لوٹ
سماطه ويغسلون ثيابهم بذلك	آتے ہین، اسی طرح مین نے بھی کیا، خدا ان
النهر وينصرفون وكذلك فعلت	پر رحمت کرے،
عنده رحمه الله صفحہ ۱۲۹	

رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر)

محمد بن بطوطہ شیخ کے انتقال کے چھتیس سال بعد شیراز پہنچے تھے، انھون نے شیراز کی بہت تعریف کی ہے، اسمی

سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقہ شیخ سعدی نے جو شیراز کی تعریف کی ہے وہ بالکل صحیح ہے، مبالغہ شاعرانہ نہیں ہے، نہر رکن آباد کی تعریف خواجہ حافظ کے پہلے شیخ سعدی نے کی تھی، ابن بطوطہ اس کے بارے میں لکھتے ہین

احدھا النھر المعروف برکن اباد وھو	ایک نہر رکن آباد کے نام سے مشہور ہے اسکا
عذب الماء شدید البرودۃ فی	پانی میٹھا ہے، گرمی مین بہت ٹھنڈا اور
الصیف سخن فی الشتاء صفحہ ۱۲۱	جاڑون مین گرم رہتا ہے،

اس سے بڑھکر پانی کی کیا تعریف ہوسکتی ہے،

اب رہا یہ کہ صاحب دیوان نے شیخ کی تعظیم معمول سے زیادہ کی، اور بادشاہ اباقاخان کے سامنے کی اس پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہین، کیونکہ مغول بادشاہ باوجود بے دین و بت پرست ہونے کے اکابر اہل اسلام کی تعظیم وتکریم کرتے تھے، ہر شخص مذہب مین آزاد تھا، ابتدا مین عام مسلمانون کی بھی بڑی قدر کرتے تھے، چنگیز خان کے قانون مین مسلمانون کا قصاص (دیت) چالیس بالشت اور ختائیون کا ایک دراز گوش تھا، اسی سے قیاس کر لینا چاہئے کہ کرورون مسلمانون کو غرقاب فنا کرنے کے بعد بھی اتنی عزت مسلمانون کی چنگیزیون کی نظر مین تھی، سیکڑون اہل علم و فن ان کی سرکار مین اعلیٰ مناصب پر فائز تھے، ان مین علاؤالدین عطا ملک صاحب دیوان والی بغداد و عراق عرب تھے، انھون نے بغداد کی ایسی رونق بڑھائی جو متاخرین خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین بھی نہین تھی، انھون نے اپنی تاریخ جہانکشا مین چنگیز خان کا حال لکھا ہے، اسمین لکھتے ہین :-

"دران وقت کہ اوائل حالت او بود و قبائل مغول بدو منضم شد، رسوم ذمیمہ کہ معہود آن طوائف بود دست دورمیان ایشان متعارف رفع کرد، و آنچہ از راہ عقل محمود باشد از عادات پسندیدہ وضع نہاد و ازان احکام بسیار آنست کہ موافق شریعت است" صفحہ ۲۱۹،

سلاطین مغول کے حالات مین لکھتے ہین :-

"و با تقلد مذاہب (یعنی اسلام و بت پرستی و نصرانیت و آبائی مذہب) بیشتر از اظہار تعصب دور باشند وازانچہ یاساے چنگیز خان ست کہ ہمہ طوائف را یکے شناسند و بریکدگر فرق ننہند عدول نجویند" صفحہ ۱۸ و ۱۹،

اوکتائی خان قاآن جو چنگیز خان کا بیٹا اور اس کے بعد تخت پر بیٹھا اور بڑا بادشاہ ہوا اسکے حال مین لکھتے ہین

"و بامید رافت و رحمت او ہر سرے دل بر جان نہاد و آنچہ از بقایاے شمشیر باقی ماندہ بودند در ربقۂ حیات و مہاد امان بماندند او بہ دین محمدی تا اقصاے دیار کفر و بلاد شرک کہ بوے اسلام بمشام ایشان نرسیدہ بود اندا نختند و در محاذات معابد اوثان مشاہد رحمٰن ساختند" صفحہ ۱۵۹ جلد اول،

اسی بادشاہ کو کسی شہزادہ نے چند چیزین تحفہ کے طور پر بھیجی تھین، ان مین ایک لعل بھی تھا جو اس کو اپنے آبا و اجداد سے پہنچا تھا، اس لعل کے متعلق کتاب مذکور مین لکھتے ہین :-

"نقش محمد رسول اللہ بالا نوشتہ و نام پدران او بر ترتیب در شیب آن مہر کردہ، کان را فرمود تا نام محمد بی بر قرار از جہت تبرک و تیمن بگزاشتند و نام سلاطین حک کردند و نام قاآن در آخر نام پیغامبر علیہ الصلوۃ والسلام نقر کردند و نام مرسل آن" (صفحہ ۱۶۵)

ان سب روایتون سے جو نہایت موثق مین ظاہر ہوتا ہے کہ چنگیزی سارے ممالک اسلامیہ کو ویران کرنے کے بعد رفتہ رفتہ اسلام کی طرف رغبت کرنے لگے، اور اسلام اور بانی اسلام کی عظمت ان لوگون کے دلون مین پہلے سے جاگزین تھی، تو خیال کرنا چاہئے کہ جب چنگیز خان کے بیٹے اوکتائی قاآن کا یہ حال تھا تو پھر اباقاخان جو چنگیز خان کا پڑوتا تھا، اس کے وقت مین بہت سی خوبیان اسلام کی مغولون مین پھیل گئی ہون گی، اور رجحان اسلام کی طرف روز افزون چنگیز خان ہی کے وقت سے شروع ہو گیا تھا، یہان تک کہ بعض لوگون نے چنگیز خان کے ایک بیٹے کو مسلمان لکھا ہے، تو اگر شیخ سعدی نے اباقاخان کو مسلمان بادشاہون کی طرح مخاطب کیا تو کونسی تعجب کی بات ہے، درحقیقت اس وقت کے مسلمانون کا بڑا کارنامہ ہے کہ جس قوم نے کرورون مسلمانون اور سیکڑون اسلامی شہرون کو غارت کیا، اسی قوم کو مسلمانون نے اپنی حکمت عملی اور اثر سے مسلمان بنا لیا،

قدیم ہندوستان اور شرابخوری

از

جناب سید فرید جعفری مچھلی شہری،

قدیم ہندوستان کی تاریخ پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے، کہ یہ تحقیقی طور پر نہین کہا جاسکتا، کہ شراب خواری ہندوستان میں کب سے جاری ہوئی، جسقدر زمانہ ترقی کرتا جاتا ہی، تحقیق کیلیئے آسانیان بہم ہوتی جاتی ہین، پردہ اٹھتا جاتا ہی، اور قدیم تحریرات کے ذریعہ سے بہت کچھ روشنی اس مسئلہ پر پڑتی جاتی ہی، کالیداس جو سنہ ۵۰۰ء کا سب سے بڑا سنسکرت کا شاعر تھا، وہ اپنے کلام مین بنگالی دہقانون کو آپس مین شراب تقسیم کرنے کا ذکر کرتا ہے، مسٹر دت ایک جگہ لکھتے ہین، کہ ہمین "شکنتلا" سے معلوم ہوتا ہے، کہ حبشی خانے اوس وقت موجود تھے، اور اس مین نیچی ذات کے لوگ کثرت سے جاتے تھے، اور اوسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ جماعت کے لوگ بھی شراب سے ناآشنا نہ تھے، "بھراتی" جس کا زمانہ ۵۵۰ء ہی نے شراب کی لطافت پر ایک قصیدہ لکھا ہی، اور کالیداس نے اکثر جگہ بعض حالات کے ضمن مین یہ بھی لکھا ہے، کہ عورتون کے منہ سے شراب کی بو آتی تھی، اور "رگھونسا" مین آجا کے دلدوز نالون کے سلسلے مین اوس کی معشوقہ کی شراب نوشی کی کیفیت بھی کھینچی ہے،

"مارکنڈے پرانا" نی مین درگا دیوی اسور سے کہتی ہے "اے احمق ذرا ٹھہر! مین اپنی شراب تو ختم کر لون"

"تنتر" مین جن کو تقریباً وید کا درجہ دیا جاتا ہے، اور جو الہامی کتاب سمجھی جاتی ہے، حسب ذیل عبارت ہے،

"مہا دیو دیوتا نے اپنی بیوی پربتی کو اپنا راز دار بنا کر یہ کہا کہ اے میری پیاری! برہمن کی نجات شراب پینے پر ہے، اے دیوی بلا شراب پئے تو مذہب کو نہین سمجھ سکتی، اسلئے ایک برہمن کو شراب پینا چاہئے" شراب خواری صرف آریہ قوم

کی خصوصیت نہ تھی، بلکہ اناریون مین بھی اوس کا اثر بہت کچھ پہنچ گیا تھا، اور وہ فی الواقع شرابی ہو گئے تھے، اور چونکہ ان مین تعلیم و تربیت کی کمی تھی، اور اون کی سوسائٹی ادنیٰ درجہ کی تھی، اس لئے اون مین جب شراب خواری جاری ہوئی، تو اوس کا ترک کرنا ان کے لئے "امر محال" ٹھہرا، اور یہی وجہ ہے کہ آج تک اون مین شراب کے استعمال کی کثرت ہے، اپنی نجات کے لئے اُن کا "نعرۂ مستانہ" یہی ہے، "پیو! خوب پیو! خوب پیو! اسوقت تک پیو کہ زمین پر گر پڑو، اور اوٹھو اور پھر پیو کیونکہ تم دوبارہ پیدا نہ ہوگے"،

نومبر ۱۹۲۷ء مین مسٹر بھبشیام نے "ڈیا نگر" مین ایک لکچر عورتون کے متعلق دیا تھا، اونھون نے اس موقع پر ثابت کیا تھا، کہ "شراب خواری اور جہالت دراصل ہندو تمدن اور نیز قدیم تمدن کی خرابیون کا نتیجہ ہے"، اونھون نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا، کہ "عورتون کی حق تلفی کی ذمہ دار شراب ہی ہے"، اونھون نے کہا کہ "عورتون کے حقوق اس طرح ضائع ہوئے، کہ پوجاؤن اور قربانیون کے وقت سوم اور صور شراب پی جاتی تھی، عورتین اون کو نہین پی سکتی تھین، لہذا مذہبی مراسم وہ نہ ادا کر سکین، اسلئے مرد ادا کرنے لگے، رفتہ رفتہ اسی طرح اور مذہبی مراسم بھی مرد ہی ادا کرنے لگے، اور اس طرح عورتین چونکہ مذہبی فرائض کی ادائی کے قابل نہ ٹھہرین، لہذا وہ جائداد وغیرہ مین وراثت کے قابل بھی نہ ٹھہرائی گئین، اور اس طرح ان کے حقوق زائل ہو گئے،

الفنسٹن لکھتا ہے کہ "اٹھارہوین صدی مین مرہٹہ سلطنت کے وقت گو عام لوگ زیادہ شراب خوار نہین تھے اور گو آخری پیشواؤن کے وقت شراب خواری کی ممانعت پر خاص طور سے عملدرآمد رہا ہے، لیکن پھر بھی مرہٹون مین بہت سی ممتاز شخصیتین شراب خواری سے بری نہ تھین، مثلاً چندر راؤ مور جو سیواجی کا رقیب تھا، وہ اپنی جوانی کے دنون مین شراب کا بڑا شائق تھا، خود سیواجی کو تخت نشینی کے وقت شراب مین تولا گیا تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ سنبھاجی یعنی سیواجی کے لڑکے کی شکست کا راز شراب خواری ہی تھی،

بالاجی باجی راؤ ملقب بہ نانا صاحب پر بھی یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت شراب مین مست رہتے تھے لیکن ساہو اسکی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اوسکو شراب سے نفرت تھی، مگر اس کے یہ معنی نہین ہین کہ شراب سے نفرت کرنے والے

لوگ موجود نہیں تھے، برہمندر سوامی جی نے جو باجی راؤ اول کے گرو تھے، چِمنا جی پوار کو جو اوس وقت کا ایک بڑا امرِ شراب نوش تھا، شراب خواری پر سخت تنبیہ کی تھی، نیز اس وجہ سے کہ اوس نے شراب کے نشہ مین اپنی ماں کی تذلیل کی، راگھوجی بھونسلے جو کہ فرنی مشہور ہے، اوس کا حملہ جب فرنچ مقبوضات تک پہنچا، اوس وقت اُسے چند بوتلین شراب کی پیش کی گئین جن کو اوسکی بیوی نے اس قدر پسند کیا کہ کثیر مقدار مین طلب کیا، اور اسطرح فرنچ سے اوسکی مخالفت دور ہوگئی، اور آسان شرائط پر صلح قرار پا گئی، جس کا الزام سا ہو اُسے ہمیشہ دیتا رہا،

غرض مندرجۂ بالا سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شراب خواری ہندو سلطنت کے وقت ہندوستان مین اچھی طرح جاری تھی،

تلخیص و تبصرہ

فرانسیسی شاعری اور اوس پر عربی ادب کے اثرات

مجلہ اپولو مصر مین جو جدید عربی شاعری کی ترجمانی کے لئے نکلا ہے، فرانسیسی شاعر الفریڈ دی موسیہ کے کلام کا عربی منظوم ترجمہ شائع ہوا ہے، اسی سلسلہ مین اس کے سوانح حیات، اور پھر اسی تقریب سے فرانسیسی شاعری کی مختصر سرگذشت بیان کی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرانسیسی شاعری پر عربی علم ادب اور شاعری کے کیا اثرات پڑے ہین، اس لیے فرانسیسی شاعری کی اس مختصر سرگذشت کی تلخیص ذیل مین پیش کیجاتی ہے،

اندلس پر عربی اثرات سے پہلے فرانسیسی شاعری مغرب کی اور قومون کی شاعری کی طرح بالکل بے آب و رنگ اور صرف لاطینی قصون تک محدود تھی جنکو چند پادری اپنے گرجون مین یاد کر لیتے تھے، جیسے فرجیل کے اشعار کہ یہ لوگ ان کو گاتے تو تھے، لیکن اُن کے معانی نہین سمجھتے تھے، قافیہ مین کوئی پابندی نہ تھی صرف اخیر کے حروف مین اتحاد ہونا ضروری تھا، مثلاً FEYME اور PARTE لیکن جب فرانسیسیون کو اہل عرب کی ہمسائیگی کا شرف حاصل ہوا تو ان لوگون نے اہل عرب کے اشعار سنے اور انکی تقلید کی، اب عربی شاعری کے تمام انواع مثلاً غزل، تشبیب، مدح، ہجو، موسیقی، اور رزمیہ وغیرہ بھی اُن کی شاعری مین آگئے، اور اب قافیون مین اخیر حروف کے اتحاد کے ساتھ اُس کے پہلے کے ساکن حروف کا اتحاد بھی ضروری ہو گیا، مثلاً AIME اور FERME،

فرانسیسی ادب مین نظم کو نثر پر تقدم حاصل ہے، اور سب سے قدیم فرانسیسی نظم (اغانی رولان)

چنانچہ دار المار کیزہ (رامبویہ) شعراء و ادباء کا سب سے بڑا اکھاڑا بنگیا جہان وہ جمع ہوکر شعر پڑھتے تھے، اور بحث و مناظرہ کرتے تھے، بہت سی عورتون نے بھی اُن کی تقلید کی اس لیے یہ زمانہ شعر و ادب کی ترقی کا عہدِ زرین ہوگیا،

۱۶۳۵ء مین کاردینال (ریشیلیو) نے فرنچ اکاڈمی قائم کی اس کے بعد فنون، آداب، آثار، فلسفہ، سیاست اور ریاضت وغیرہ کی متعدد اکاڈمیان قائم ہوئین اور سترہوین صدی مین بہت سے شعراء اور ادباء پیدا ہوگئے، مثلاً (بالزاق اور دیکارت) پھر اسکندر ہارڈی نے ایک تھیٹر قائم کیا جس مین اس قسم کے ایکٹ کئے جاتے تھے، جنکا موضوع اسپینی عرب کا متروکہ ادبی سرمایہ تھا،

اس زمانے کے شعراء اور انشا پرداز حسب ذیل ہین،

(۱) بییر قورنیل (۱۶۰۶-۱۶۸۴م مشہور ناول ہوراس کا مصنف ہے، (۲) راسین (۱۶۳۹-۱۶۹۹م، کلاسیکل طریقہ کا موجد اور بہت سی روایتون کا ناظم ہے) (۳) بوالو (ہجو گو اور ظریف شاعر ہے) (۴) مولیر (مضحکات یعنی کامیڈی کا موجد ہے)، (۵) فنلون (تلیماک کا مولف ہے) (۶) لافونتین (افسانہ نگار) (۷) مونتیسکیو (۸) بوفن (۹) ولٹیر (اس نے ہر موضوع پر لکھا ہے) (۱۰) دوبدر (دائرۃ المعارف کا مولف ہے، (۱۱) جان جاک روسو،

ان کے بعد انیسوین صدی کے بہترین شعراء وکٹر ہیگو، سینٹ بیف، الفرڈ دی موسیہ اور دی لامارٹین وغیرہ پیدا ہوے، اس طریقہ سے ہر سال فرانس مین بہترین شعراء و انشا پرداز پیدا ہوتے رہے، یہانتک کہ ہمارے زمانہ یعنی بیسوین صدی مین ادمون روستان، جان ریشبین، اناتول فرانس اور پول بورجیہ وغیرہ کا نام مشاہیر شعراء مین نظر آتا ہے،

سب سے پہلے عربی شعر و ادب سے اسپین اور اٹلی کے باشندون نے فائدہ اٹھایا، چنانچہ اسپینون مین سے لوب دو فیگہ، فالدیرون، اور لوقین وغیرہ نے شعر و ادب مین امتیاز پیدا کیا اور اٹلی مین دانتی

(۱۲۶۵-۱۳۲۱م) پیدا ہوا جس کی کتاب نعزلۃ الالٰھیہ کی شہرت چار دانگ عالم مین پھیل گئی،

سسلی و نیپلز سے اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد بھی تون عربی زبان شاہ راجر ثانی شاہ صقلیہ اور اس کے بعد کے بادشاہون کی حکومت کی سرکاری زبان رہی، راجر ثانی نے بہت سے علمائے اسلام مثلاً مشہور جغرافیہ نویس شریف ادریسی اور احفاد (ابن بشکر) کو جو علم النباتات اور علم الحیوانات کے عالم تھے، اور دوسرے شعراء و انشا پرداز کو مقربِ بارگاہ بنایا اور فرنچ زبانون مین عربی اصطلاحات پھیل گئین، یہانتک کہ عربون کی سلطنت کے زوال کے بعد بھی عربی خط یورپ کی عمارتون اور محلون پر کندہ کئے جاتے تھے،

"ع"

ایران کے بینک

۱۲۶۷ھ سے ایران مین بہت سے بینک مثلاً بینک استقراض روس، امپریل بینک ایران، بینک عثمانی اور اسی طرح چند دوسرے بینک اکثر شہرون مین اپنی شاخین کھول کر بینک کا کاروبار کر رہے ہین، لیکن ان مین سب سے اہم بینک، امپیریل بنک ایران ہے، اور اس کے قائم کرنے کا حق ۱۲۶۷ھ مین بیرن جولیس رابٹر نامی ایک انگریز نے شاہ ناصر الدین سے حاصل کیا اور دو سال کے بعد لندن مین اس کے حصے فروخت ہونا شروع ہوے، اس بینک کا سرمایہ ایک ملین پونڈ قرار پایا تھا غیر ملکیون کا اعتبار اس بینک پر اس قدر زیادہ تھا کہ ۸ گھنٹے مین بینک کے حصون کی خریداری کی درخواستین پندرہ گونہ موصول ہوئین، پہلے سال امپیریل بنک نے ایران کے اندر اور باہر چند شاخین قائم کین اور وضعِ مصارف کے بعد اس کا منافع . . . ۶۸ پونڈ ہوا اور آٹھ فیصدی حصہ دارون پر تقسیم ہوا،

پہلے ۲ سال مین امپیریل بینک نے اپنے سرمایے کا بہترین حصہ لندن سے ایران مین منتقل کیا اور ۳۲ سے ۳۴ قران کے نرخ پر کہ اس وقت یہی نرخ تھا (موجودہ نرخ ۹۸ قران ہے) اپنے پونڈ کو قران کی صورت مین تبدیل کیا، اگرچہ ۱۲۷۳ھ مین چاندی کی قیمت اس قدر گھٹ گئی کہ ۵۰ قران ایک پونڈ کے

برابر ہوگیا اور اس وجہ سے بینک کو ایک تہائی کا نقصان ہوا، تاہم چالیس سال کی مدت مین اس کے کاروبار مین غیر معمولی ترقی ہوئی اور کاغذی نوٹ جو اسکی بنیاد کے ابتدائی سال مین ۲۰۰۰۰۰ پونڈ کے تھے اب ڈھائی ملین تک پہنچ گئے،

موجودہ اصطلاح مین ایک قومی بینک کے قائم کرنے کا خیال ایران مین ۱۳۰۶ھ مین پیدا ہوا، اور مجلس شوری ملی کے پہلے اجلاس مین اس پر بحث ہوئی اور ایک قرارداد کے منظور ہونے کے بعد اہل ایران کی ایک جماعت نے عملاً اس کے قائم کرنے کا عزم کر لیا، اول اول اس کا سرمایہ ۱۵ ملین تومان قرار پایا جو بعد مین ۲۰ ملین تک پہنچ گیا، ابتدا مین اس بینک کے بانیون کی تعداد صرف چند لوگون تک محدود تھی اور ان مین ہر شخص کو ۱۰ تومان سے ۵ ہزار تومان تک سرمایہ دینا قرار پایا تھا اور ہر حصہ ۵ تومان کا مقرر ہوا تھا، اس کے دستور العمل کی پہلی اہم دفعہ یہ تھی کہ وہ حکومت کے تمام وجوہ کا مرکز ہوگا، اور خزانچی حکومت کے حوالے [illegible] لیگا، دوسرے یہ کہ امپیریل بینک کے تمام حقوق اس کی مدت کے گذر جانے کے بعد اس نئے بینک کی طرف منتقل ہوجائینگے، اس طریقہ سے اس بینک کے کاروبار مین نہایت ترقی ہوئی، اور لوگون نے اپنا تمام سرمایہ خوشی سے بطور حصص کے اس مین رکھدیا، چنانچہ ایک غیر ملکی روزانہ اخبار نے لکھا کہ ایرانیون نے اس بینک کا خیر مقدم اس جوش کیساتھ کیا کہ چھوٹے چھوٹے بچون نے اپنی کتابین اور عورتون نے اپنے زیورات فروخت کرکے اس کے حصے خریدے، اور حصون کی خریداری مین مردون سے گوے سبقت لے جانا چاہا، خود اس کے بانیون نے یہ تہیہ کر لیا کہ کم از کم ہر شخص ۵ ہزار تومان بینک کے صندوق مین ڈالے، صوبہ طہران نے ایک ملین تومان کی ذمہ داری اپنے سر لی، آذربائجان اور تمام صوبون نے بھی بڑے بڑے حصون کا خریدنا اپنے ذمہ لیا، لیکن افسوس ہے کہ دوسرے اور تیسرے درجہ کے آدمیون نے تو صرف یہ ذمہ داری لی، لیکن دولتمند اور تاجرون نے اس سے اغماض کیا، لیکن چونکہ سلطنت اس بینک کی حامی تھی اس لیے اس بینک نے کافی ترقی کی،

یہ پہلا بینک ہے جو موجودہ طریقہ پر ایران مین قائم ہوا، اور ایرانی اس سے بہت توقعات رکھتے ہین اور درحقیقت اس بینک سے سلطنت کی اقتصادیات کو کافی اعانت حاصل ہوگی،

سلطنت کے تمام بینکون کی طرح یہ ایک خاص بنیاد و اساس پر قائم ہوا ہے، اس کا سرمایہ دو ملین تومان ہے، جو بیس ہزار اور ایک سو تومان پر منقسم ہوگا، اور ۱۳۵۰۰ قطعہ اس کا نام کے ساتھ اور بقیہ بے نام کے ہوگا، سلطنت تمام حصون کی ذمہ دار ہے، اور اس طریقہ پر اس بینک کا موجودہ سرمایہ آٹھ لاکھ تومان ہے،

بینک کے دستور العمل کی چھٹی دفعہ سے بینک کے فرائض بہ تفصیل معلوم ہوتے ہین، اور یہ واضح ہوتا ہے کہ قومی بینک اصولاً ایک تجارتی بینک ہے، اور تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے مخصوص شرائط کے ساتھ کام کریگا، لیکن زراعتی کاروبار کا مرکز زراعتی بینک ہوگا جو ۱۳۰۹ھ مین قائم ہوا ہے، بینک نوٹ کے جاری کرنے کا حق اس کو ۱۳۱۰ھ کے بعد دیا گیا، چونکہ اس بینک مین سرمایہ امانۃً رکھا جاتا ہے، اسلیئے کچھ دنون مین وہ اپنے فرائض کی وسعت کے ساتھ حکومت کے مرکزی بینک کا بھی ذمہ دار ہوجائیگا، اگرچہ ایرانی سکے کے اخیر بحران نے اس بینک کو یہ موقع نہین دیا کہ لوگون کے لیے زیادہ اعتبارات تجارتی مہیا کرے، دوسری طرف خارجی نرخ کی تنظیم کا کام بھی اس بینک کے سپرد ہوگیا ہے،

(مجلہ اقتصاد کابل) "ع"

اخبارِ علمیہ

نئی ترکی زبان

چند ماہ قبل مصطفےٰ کمال پاشا کی تحریک سے ترکی زبان کی تحقیق کے لیے اکابر اہل زبان کی ایک مجلس قسطنطنیہ مین بیٹھی تھی جس کی سفارشون کا خلاصہ مانچسٹر گارڈین کے نامہ نگار مقیم قسطنطنیہ نے حال مین بھیجا ہے، ان سفارشون کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ تمام ملک مین ایک وسیع تنظیم قائم کرکے وہ تمام الفاظ جو عام طور پر بولے جاتے ہین لیکن جو ابھی تک علمی زبان مین داخل نہین ہو سکے ہین اکٹھا کرلئے جائین اور پھر انکی تحقیق کیجائے، اسکا مقصد یہ ہے کہ جو زبان "عثمانی زبان" کہی جاتی ہے اسے ترکی زبان بنادیا جائے، "عثمانی زبان" کے متعلق اس مجلس کا خیال ہے کہ یہ اصلی ترکی زبان کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے اور دربار اور فتوحاتِ سلطانی کے اثر سے ملک کی اصلی زبان سے علیحدہ ایک بالکل مختلف زبان ہو کر رہ گئی ہے، امید ہے کہ چھ ماہ کے اندر یہ سب الفاظ جمع کرلئے جائینگے، اس تلاش و تحقیق کے لیے تمام اناطولیہ اور تھریس مین دس پندرہ ہزار مدرسین کی خدمات حاصل کیجائینگی، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ہی مہینہ مین ایک شخص نے صرف قسطنطنیہ کے مزدورون کی زبان سے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ ایسے الفاظ دریافت کرلئے مین جو ابتک "غیر معلوم" تھے، اسی طرح اناطولیہ کے چند مواضعات مین ایک شخص نے پچیس ہزار اور دوسرے نے چالیس ہزار ایسے الفاظ جمع کئے ہین، اور اسی طرح وسط اناطولیہ مین کچھ لوگون نے اس قسم کے پندرہ ہزار الفاظ اکٹھا کرلئے ہین، اس وقت ترکی لغت مین صرف چالیس ہزار الفاظ ہین، اور ان مین وہ الفاظ بھی شامل ہین جو فارسی اور عربی سے لئے گئے ہین، امید کیجاتی ہے کہ اب یہ تعداد

اسّی یا نوے ہزار تک پہنچا دی جائیگی جو فرانسیسی لغت کی انتہائی تعداد ہے، جب یہ الفاظ جمع کرلئے جائین گے اس وقت مرکزی مجلس لسانیہ (LINGUISTIC COMMISSION) کے زیر ہدایت جامعہ قسطنطنیہ کے اساتذہ اور دوسرے ارباب علم ان سب کو چھانٹین گے اور پھر ان مین سے جو لغت کے لیے پسند کرلئے جائینگے وہ اخبارات بالخصوص جرائد مین اس مجلس کی طرف سے شائع کردیئے جائین گے، قدیم الفاظ کی تلاش کے ساتھ ساتھ جدید الفاظ کی اختراع کا کام بھی ہوتا رہیگا، موجودہ ضروریات کے لیے سائنٹفک اور فنی اصطلاحات وضع کرنے کے آسان طریقے دریافت کئے جائین گے، فی الحال ترکی درسی کتابون مین سائنٹفک اور فنی کتابون کی اصطلاحات مین بہت زیادہ اختلافات ہین، "عثمانی" اور ترکی زبان کے فرق کو اور زیادہ نمایان کرنے کی غرض سے ایک ترکی عثمانی لغت تیار کیا جائے گا، یہ بھی تجویز ہے کہ ان جدید الفاظ کی ایک تعداد کو تمام قوم مین رائج کرنے کے لیے دلچسپ اور مقبولِ عام نظمون کے ذریعہ سے شائع کردیا جائے، سب سے زیادہ زور جس بات پر دیا گیا وہ یہ تھی کہ ترکی زبان انڈو یورپین، سمیرین، اور سامی زبانون کی اصل ہے، ترکی علماء زبان اپنے اس دعوی کے ثبوت مین متعدد ماہرینِ زبان کی شہادتین پیش کرتے ہین اور ان کا خیال ہے کہ مسلمانون کے دورِ حکومت مین ترکی زبان اپنے زوال کی حالت مین تھی جس کی ذمہ داری سلاطین اور ان کے درباریون کے سر ہے، سلطانی فتوحات کے ساتھ ممالک مفتوحہ کی زبانین بھی کسی قدر ترکی زبان مین شامل ہوتی گئین، اور اہل دربار نے ان سب زبانون کو ملا جلا کر ایک نئی زبان تیار کرلی،

نوبل پرائز

سال گذشتہ بسنہ ۱۹۳۲ء مین لٹریچر کا نوبل پرائز مشہور برطانوی ڈراما نویس جان گالسورذی (J. GALSWYTHY) نے حاصل کیا ہے، ان کی تصنیفات سوئڈن مین بہت مقبول ہین، ۱۹۱۸ء مین حکومت برطانیہ نے انھین نائٹ کا خطاب بھی دیا تھا لیکن اسے قبول کرنے سے انھون نے انکار کردیا تھا، ۱۹۲۹ء مین حکومت کی طرف سے

انھین آرڈر آف میرٹ (ORDER OF MERIT) کا خطاب عطا کیا گیا، گالسوردی کے علاوہ رڈ
کپلنگ اور برنرڈ شا صرف دو برطانوی مصنف اور ہین جنھین اس سے قبل لٹریچر مین نوبل پرائز ملا،
کمسٹری کا نوبل پرائز امریکہ کے مشہور سائنس دان ڈاکٹر ارونگ لینگ میور (DR. IRVING
LANGMUIR) کو دیا گیا ہے جو ۱۹۰۹ء سے کیمیاوی تحقیق مین مصروف ہین،

سیارون کی آبادی

حال مین برمنگھم کے بشپ ڈاکٹر بارنس نے ایک خطبۂ صدارت مین یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ایک وقت
جب انسان کسی مختلف قسم کی لاسلکی کے ذریعہ سے دوردراز سیارون مین رہنے والے ذی عقل جاندارون سے
بات کرسکیگا، بشپ موصوف نے نہ صرف اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ دوسرے سیارون مین بھی ذی روح
آبادی ہے، بلکہ یہ بھی بیان کیا کہ اس امر کے قوی دلائل موجود ہین کہ سیارون کے رہنے والے قوت
مین ہم سے کہین زیادہ بڑھے ہوئے ہین،، ان کا خیال ہے کہ اگر سیارون کے باشندون کے حاصل کردہ علوم
فنون ہمارے سامنے پیش کردیئے جائین تو ہماری حیرت واستعجاب کی کوئی انتہا نہ رہ جائے، ڈاکٹر بارنس
کی حیرت تو اس وقت کی منتظر ہے جب ایسے علوم وفنون اُن کے سامنے پیش کئے جائین گے، مگر ہماری
حیرانی کے لیے تو وہ وثوق ہی کافی ہے، جس کا اظہار موصوف اپنی پیشین گوئی مین فرما رہے ہین،

ارتقائے انسانی کی ایک کڑی

مسٹر ایچ، جی، ویلز، مشہور برطانوی اہل قلم نے اپنی تاریخ عالم مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جنگلون کے
جن مردم خور دیوون کے قصے روایات مین سنے جاتے ہین وہ ممکن ہے کہ ان انسانون کی نسل سے تعلق
ہون جو ہزارہا سال قبل اپنے ارتقا کی ابتدائی منزلون مین تھے، اس خیال کی تائید حال کے ایک جدید انکشاف

بھی کسی قدر ہوتی ہے، چند ماہ قبل جنوبی افریقہ مین ایک ایسا انسانی ڈھانچہ برآمد کیا گیا ہے جو اب بالکل مفقود ہے،
اس دریافت کے متعلق ڈاکٹر فوری اپنے رسالہ ویکس سائنس (WEAKS SCIENCE) مین لکھتے ہین:۔

"ارتقائے انسانی کے ماہرین کو اس امر مین اتفاق ہے کہ اب سے بیس پچیس ہزار قبل دو بالکل مختلف
قسم کے انسان روے زمین پر آباد تھے، ایک قسم معمولی آدمیون کی تھی جو زمانۂ حال کے آدمیون سے ناقابلِ
امتیاز تھے، دوسری قسم ان کی تھی جو قد کے چھوٹے اور جسم کے موٹے تھے، ان کے سر بڑے اور گردنین موٹی
تھین اور وہ موجودہ انسانون کے مقابلہ مین صورۃً بالکل درندے معلوم ہوتے تھے، اس قسم کے لوگون
کی ہڈیان نیز ان لوگون کی جو آجکل کے آدمیون سے مشابہ تھے، یورپ، فلسطین، افریقہ، اور دوسری جگہون
مین پائی گئی ہین،" جنوبی افریقہ مین جو ہڈیان حال مین پائی گئی ہین ان کے متعلق شروع مین یہی خیال تھا کہ
وہ انھی انسان نما درندون مین سے کسی کی ہونگی، لیکن مزید غور ومطالعہ کے بعد یہ محقق ہوا ہے کہ وہ ہڈیان
ایک بالکل مختلف قسم کے انسان کی ہین جو نہ تو کٹر وحشی اور درندے تھے، اور نہ اس نسل سے تھے جو آج تمام دنیا مین پائی جاتی ہے،

جیب کے خطرات

ڈاکٹر پرسی اجلو (لندن) نے حال مین یہ تجویز پیش کی ہو کہ مروجہ جیبین انسانی لباس سے
بالکل خارج کردی جائین اور انکی جگہ ڈاکٹر موصوف کی ایجاد کردہ دوسرے قسم کی جیبین جو روز یا ہفتہ مین ایکبار
دھونے کیلئے علحدہ کیجاسکتی ہین استعمال مین لائی جائین، وجہ یہ ہو کہ موجودہ جیبین عموماً کثیف ہوتی ہین اور ان سے جراثیم پھیلتے ہین
ان مین ہر قسم کی چیزین رکھی جاتی ہین، مثلاً ایسے رومال جنمین جراثیم بھرے ہوتے ہین، سکے جو پہلے اکثر گندے اور میلے ہاتھون
مین رہ چکے ہین، کاغذی سکے اور دوسری چیزین جنسے جراثیم کی پرورش ہوتی ہے، یہ جیبین شاید ہی کبھی اتنی صاف
کیجاتی ہون یا انھین دھوپ یا صاف ہوا لگتی ہو، جراثیم کے اس خطرہ کو دور کرنے کیلئے ڈاکٹر اجلو نے جس قسم کی جیبین ایجاد کی ہین وہ
اگرچہ شکل مین موجودہ جیبون سے بالکل ملتی ہوئی ہین لیکن اسطرح کی بنی ہین کہ ضرورت کیوقت بہت آسانی سے لباس سے علحدہ کیجاسکتی
ہین اور صاف کرکے پھر لگادی جاسکتی ہین،

"ع ز"

ادبیات

نیرنگِ اثر

از جناب ولایت حسین خانصاحب رامپوری

دنیا ہے رنج ہر لحظہ نئی ہر دم مصیبت ہے　　دل ایذا طلب منجملۂ اربابِ ہمت ہے

کوئی ہے طالبِ حسرت کوئی مایوس حسرت ہے　　نرالی ساری دنیا ہے یہ دنیائے محبت ہے

خیالِ دوست ہر لحظہ شریکِ رنج و راحت ہے　　خدا رکھے اسی سے زندگی کی اپنی صورت ہے

مجھے تکلیف مین آرام ہے زحمت مین راحت ہے　　مرے حق مین جفائے دوست سچ پوچھو عنایت ہے

ابھی واقف ہوا ہے لذتِ ایذا سے توا ے دل　　ابھی سے خواہشِ افزایشِ دردِ محبت ہے

تعجب کیا اگر انسان اس پر جان دیتا ہے　　محبت قلبِ انسان مین خدا کی اک ودیعت ہے

نہ پوچھو مجھ سے تم کیونکر بسر ہوتی ہے فرقت مین　　خدا کا شکر ہے جو دم گذرتا ہے غنیمت ہے

طریقِ عشق مین فکرِ مآلِ عشق سے حاصل　　دلِ ناعاقبت اندیش تیری بھی عجب مت ہے

میسر ہے ہمین دل کی بدولت عشق کی دولت　　نکرنا شکر نعمت کا اثر کفرانِ نعمت ہے

سوالِ وفا

از جناب شیخ عبداللطیف صاحب تپش ایم اے ایم او ایل لکچرار گورنمنٹ کالج پی[illegible]

مجھ سے کہتے ہین، وہ وفا کیا ہے　　نہین معلوم مدعا کیا ہے

دل مین اک داغ کے سوا کیا ہے　　جان دے کر ہمین ملا کیا ہے

کچھ نہین عالمِ خیال اگر　　یہ تماشا سا ہو رہا کیا ہے

غنچے مین اک لپٹ ہے خوشبو کی　　اس کی مٹھی مین اور دھرا کیا ہے

خاکسارون کی خاک اوڑاتے ہو　　یہ جزا ہے، اگر سزا کیا ہے

نہین اٹھتا ہے، پردۂ ہستی　　نہین کھلتا کہ ماجرا کیا ہے

کر دیا بے نیازِ سجدہ مجھے　　اور احسان نقشِ پا کیا ہے

پردہ داریِ چشمِ شوق عبث　　جز فریبِ نظر دھرا کیا ہے

نہ بتایا کسی نے جیتے جی　　درد کیا چیز ہے، دوا کیا ہے

کیا ہو کیا جانے بتکدہ چھٹ کر　　کیا خبر مرضیِ خدا کیا ہے

ہاتھ اوٹھاتے تو ہو دعا کے ساتھ　　یہ بھی تو پوچھ لو دعا کیا ہے

محشرستانِ آرزو ہون تپش　　مجھکو اندیشۂ فنا کیا ہے

رباعیاتِ اخگر

از جناب امداد حسین صاحب اخگر مرادآبادی

عالمِ پیری

مین بحر تھا پانی نے مجھے چھوڑ دیا　　موجون کی روانی نے مجھے چھوڑ دیا

بے مہری کی یارون سے شکایت کیسی　　خود میری جوانی نے مجھے چھوڑ دیا

عبرت

قبرون پہ گیا مین تو وہان کیا دیکھا　　چھائی ہوئی خاموشی کو گویا دیکھا

ٹوٹے ہوئے تختون کی چھتون کے نیچے　　شاہون کی بھی عظمت کا جنازہ دیکھا

باب التقریظ والانتقاد

نغمۂ دل

یعنی مجموعۂ کلام دل

(جناب حکیم ضمیر حسن خان دل شاہجہانپوری)

ضخامت مع مقدمہ ۲۵۰ صفحات قیمت علاوہ محصولڈاک عہ ملنے کا پتہ حکیم ضمیر حسن خان دل محلہ ہاتھی تھان شاہجہان پور،

یہ ایک بڑی نازک تاریخی اور ادبی بحث ہے کہ دلی اور لکھنؤ کے جو دو مختلف شاعرانہ انداز قائم ہوگئے تھے اونکا جغرافیانہ اور قومی حیثیت سے کیا اثر پڑا؟ جہان تک مین پتہ لگا سکا ہون، مراد آباد، بریلی، بدایون اور شاہ جہان پور وغیرہ زیادہ تر دلی کے رنگ سے متاثر ہوئے، اور کانپور، فیض آباد اور الہ آباد وغیرہ پر لکھنؤ کا اثر پڑا، اسکی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ جو مقامات دلی سے قریب تھے اونھون نے دلی کا رنگ اختیار کیا، اور جو مقامات لکھنؤ کے آس پاس تھے، وہ لکھنؤ کی روش پر چلے، اس جغرافیانہ اثر کے علاوہ قومی حیثیت سے روہیلکھنڈ کے پٹھانون کی ٹھوس طبیعت جب شاعری کی طرف متوجہ ہوئی تو اوس نے سنجیدگی کے قالب مین ظہور کیا، جس کے لئے اساتذۂ دلی کا رنگ کلام زیادہ موزون تھا، اس لئے زیر ریویو مجموعہ کلام مین سب سے پہلی جو خصوصیت ذوق سلیم کے سامنے آتی ہے، وہ متانت و سنجیدگی ہے، قومی و جغرافیانہ حیثیت کے علاوہ ممکن ہے کہ یہ حکیم ضمیر حسن خان کی ذاتی متانت و سنجیدگی اخلاق کا بھی اثر ہو، بہرحال اون کے کلام مین کوئی غیر مہذب غیر سنجیدہ مبتذل ورکیک لفظ یا عریان مضمون نہین مل سکتا، یہان تک کہ بوس اور رقیب کا لفظ جس

سے غزل مین لطیف و خوشگوار مضامین کے ساتھ بہت سے مبتذل و سوقیانہ مضامین بھی شامل ہوگئے ہین، اون کے کلام مین سرے سے موجود ہی نہین ہے، شاید یہ خیال ہو کہ یہ موجودہ دور کی شاعرانہ اصلاحات کا اثر ہے لیکن اونھون نے اپنی غزلون کو خود قدیم وجدید دو حصون مین تقسیم کر دیا ہے، لیکن قدیم غزلون مین بھی اس قسم کے الفاظ و مضامین نہین ملتے، اس لئے حضرت نیاز فتحپوری کے نزدیک انکے قدیم وجدید کلام مین امتیاز پیدا کرنا سخت مشکل ہے، لیکن ہمارے نزدیک لکھنؤ کی صرف یہی خصوصیت نہین ہے، کہ وہان کی شاعری مین متانت و سنجیدگی کم پائی جاتی ہے، بلکہ اوس کی ایک خصوصیت اوس کا وہ شاعرانہ استدلال بھی ہے، جو جذبات کی آمیزش سے بالکل خالی ہوتا ہے، اس لئے اوسکو صرف ایک خشک شاعرانہ منطق کہہ سکتے ہین، اور اسکی مثالین بعض بعض جگہ اون کی قدیم غزلون مین نظر آجاتی ہین، مثلاً

ابرو پہ آئینے مین نگاہین ہین بار بار
برسا رہے ہین تیر وہ اپنی کمان پر

ابرو کا کمان اور نگاہون کا تیر ہونا شاعرانہ حیثیت سے مسلم ہے، اور چونکہ آئینے مین ابرو ہی پر نگاہین پڑ رہی ہین، اسلئے یہ دعوی ثابت ہو گیا، کہ

برسا رہے ہین، تیر وہ اپنی کمان پر

یا:-

دل صد چاک مین دیکھا رخ روشن اونکا
ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اون کا

دل صد چاک کی تشبیہ چلمن کے ساتھ بالکل مکمل ہے، اور دل مین معشوق کا جلوہ نظر آتا ہی ہے، اسلئے یہ دعوی خود بخود ثابت ہو گیا، کہ

ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اونکا

بعض لفظی رعاتین بھی حد فاصل ہو سکتی ہین، مثلاً

ناتوانی راہ مین گو پاؤن پھیلاتی رہی
شوق ہاتھون ہاتھ مجھکو سوے جانان لیچلا

اسی طرح جدید شاعری کی خصوصیت صرف متانت وسنجیدگی ہی نہین ہے، بلکہ خاص قسم کی ترکیبین اور خاص قسم کے الفاظ بھی ہین، یہان تک کہ بعض جدید شعرا، کے کلام مین صرف یہی ترکیبین اور الفاظ ہوتے ہین، اور ان کے اندر کوئی معنی نہین ہوتا، اور اس مجموعہ مین بھی اس قسم کے الفاظ کی کمی نہین ہے مثلاً:-

نظر آتی ہے مجھے حسن کی دنیا بے حس
کس کو افسانہ سناؤن شب تنہائی کا

حقیقت یہ ہے کہ حکیم ضمیر حسن کا کلام ایک بڑے تاریخی دور کا نچوڑ ہے، رامپور مین آکر دلی اور لکھنؤ کے رنگ مین آمیزش ہوئی، اس بیگانگی کے دور ہونے کے بعد کچھ دنون تک داغ، امیر اور جلال باہم حریف رہے، لیکن رفتہ رفتہ زمانے نے اس بے گانگی کو بھی دور کیا، اور اب ہر ایک کے تلامذہ نے بے تعصبی کے ساتھ ان تینون استادون کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف کیا، اور تینون کے رنگ کلام سے متاثر ہوئے، اسکے بعد جدید شاعری کا غلغلہ بلند ہوا، تو اوس کا اثر بھی ان لوگون پر پڑا، اس لئے ان مجموعی اثرات نے ایک خاص رنگ پیدا کر دیا جسکی خصوصیات حسب ذیل ہین:-

۱- مبتذل اور عریان الفاظ و مضامین سے اجتناب،

۲- خارجی مضامین یعنی خال وخط کے مضامین سے احتراز،

۳- صفائی، برجستگی اور سادگی،

۴- رفعت و بلندی،

امیر کے اور مشہور تلامذہ مین بھی اگرچہ یہ خصوصیتین اقتضائے زمانہ سے پیدا ہو گئی ہین، لیکن ضمیر حسن خان نے اقتضائے زمانہ کے علاوہ بالقصد و بالارادہ بھی یہ خصوصیتین اپنے کلام مین پیدا کی ہین، اور اون کی سنجیدہ فطرت اور ماحول کے اثر نے بھی اس مین اون کی اعانت کی ہے، اس لئے اون کا کلام امیر کے اور تلامذہ سے مختلف ہو کر شعرائے دور جدید کے کلام سے مشابہ ہو گیا ہے، تاہم یہ فرق قائم ہے کہ جدید شعرا، کے کلام مین بے معنی الفاظ بے معنی ترکیبون بلکہ مہمل مضامین کا جو انبار پایا جاتا ہے، اون سے اون کا کلام پاک اور لفظاً و معنی دونون حیثیتون سے حدود تغزل کے اندر داخل ہے،

چند مثالین ملاحظہ ہون:-

جی ڈوب گیا جب یہ حقیقت ہوئی ظاہر
جس بحر مین کشتی ہے وہ ساحل نہین رکھتا

نارسائی کا سبب کیا ہے؟ یہی جوش طلب
بڑھ گئے ہم اس قدر آگے کہ رہبر رہ گیا،

نکتہ سنج ن و فانے رکھ لیا دل اوس کا نام
کچھ لہو جو سینۂ بسمل مین جم کر رہ گیا،

اب ہزارون زخم ہین ہر زخم ہے دنیائے عشق
وسعت دل بڑھ گئی جب دل مین نشتر رہ گیا،

ادھر گھبرا کے غمخوارون کی مایوسانہ سرگوشی
اودھر بیمار کا کچھ کہکے سب سے بے خبر ہونا،

بارہا ڈوب کے اوبھرا مرے دل سے نشتر
راز پھر بھی نہ کھلا عشق کی گہرائی کا کچھ

تری ٹھوکرون کو ظالم عبث آج جستجو ہے
جسے کل مٹا چکی ہین، وہی تھا مزار میرا،

ہاتھ دل پر رکھ کے یہ کہنا کسی کا یاد ہے
اب اسے اپنا نہ کہنا یہ ہمارا ہو گیا،

کیا سمجھ کر پوچھنے آئے ہو میرا حال زار
ہان یہ پوچھو پوچھنے والون کی حالت کیا ہوئی

جو طالب جمال بڑھا آئی یہ صدا
بجلی ابھی تو کوند رہی ہے جلال کی

کہئے تو کہدین عرش بریں کو مقام دوست
ہمت مگر کچھ اور ہے اپنے خیال کی،

خاموش ہون جو صورت تصویر پیش یار
اک شکل خاص یہ بھی ہے اظہار حال کی

اب تک ہین جوش عشق کی ہنگامہ خیزیان
اوٹھا غبار قیس تو صحرا لئے ہوئے

یہ متین وسنجیدہ رنگ صوفیانہ خیالات کے اظہار کے لئے خاص طور پر موزون ہے اور حکیم ضمیر حسن خان کے کلام مین بھی جا بجا اوسکی چاشنی پائی جاتی ہے مثلاً

وہ حسن مطلق ہے جلوہ افگن بقدر حسن خوش ادا کو دیکھا
عجیب قدرت کے ہین کرشمے جدھر نظر کی خدا کو دیکھا،

جو ڈوب کر پھر کبھی نہ اوبھرا ہوا وہی آشنائے ساحل
بقائے دائم کا اک مرقع غریق بحر فنا کو دیکھا،

مشاہدہ ہو تو کس طرح ہو بصارت ظاہری ہے عاجز
گذر گیا جو خودی کی حد سے اوسی نے اوس خود نما کو دیکھا

خبر نہین انتھا کی ہم کو کیا ہو گم بے خودی نے لے ڈالی   قدم جو رکھا رہ طلب مین تو دور تر رہنما کو د[یکھا]

اردو غزل گوئی کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اوس مین ہر شعر کا مضمون الگ الگ ہوتا ہے، کوئی مسلسل خیال پوری غزل مین نہین ادا کیا جاتا، لیکن حکیم ضمیر حسن خان نے بعض غزلون مین ایک ہی خیال ادا کیا ہے، اور نہایت لطیف مسلسل طریقہ سے ادا کیا ہے، مثلاً:-

شکیبِ ضبط بھی اے پیکِ یار لیتا جا   پلٹ چلا ہے تو دل کا قرار لیتا جا

لکھا ہے خون کے قطرون سے حالِ دردِ فراق   مرقعِ خلش و اضطرار لیتا جا

بجائے مہر ہوئی ثبت چشمِ پُر حسرت   یہ نقش ہے ہمہ تن انتظار لیتا جا

بدھے ہین تختِ جگر تارِ اشکِ رنگین مین   یہ دل پسند یہ خوش رنگ ہار لیتا جا

کسی کے زیرِ قدم آج ہی بچھا دینا   سکونِ جانِ محبت شعار لیتا جا

تمام عمر کا حاصل ہے جوشِ عجز و نیاز   متاعِ ہستیٔ ناپائدار لیتا جا

تجھے ہے عذرِ ادا داستانِ عشقِ طویل   مری زبان بھی اے غمگسار لیتا جا

وفورِ شوق جو سرمایۂ محبت ہے،   بصد نیاز پئے نذرِ یار لیتا جا

یہ چیز وہ ہے جو فائق ہے لاکھ چیزون پر   خلوصِ عشق کا تو اعتبار لیتا جا

رہا سہا ہے جو تسکینِ دل کا سرمایہ   مرے رفیق مرے رازدار لیتا جا

انیس حضرتِ دل آہ جو تمنا تھی   ملی ہے خاک مین اوسکا غبار لیتا جا

لیکن باوجود ان تمام خوبیون کے جا بجا لفظی و معنوی حیثیت سے خامیان بھی پائی جاتی ہین مثلاً:-

قیامت ڈھا ہی دل سُرمگین آنکھونکا نظارہ   سنبھل بیٹھین یہ بت نالہ ہمارے دل سے نکلے گا،

سُرمگین آنکھونکا اثر خموشی کی صورت مین ظاہر ہونا چاہئے نہ کہ نالہ کی صورت مین،

کاوشِ بیم کی حسرت تھی دلِ مجروح کو   کیا بکار آمد ہوا چھپکر جو نشتر رہ گیا،

"بکار آمد" کی جگہ "کار آمد" غالباً زیادہ صحیح ہو،

اے صبا ساتھ چلے گی مری بربادیٔ دل   کوچۂ یار کو جانا تو یہان ہو جانا ہو،

شعر بہت اچھا ہے، لیکن اگر "ہو جانا" کے بجائے "ہوتے جانا" ہوتا تو زیادہ بامحاورہ ہوتا،

ہم حرمتِ صہبا کے قائل ہین مگر واعظ   ہوتی ہین جو چار آنکھین انکار نہین ہوتا

صہبا سے چار آنکھین ہونیکے کوئی معنی نہین ممکن ہے کہ ساقی مراد ہو لیکن وہ یہان مذکور نہین "انکار نہین ہوتا" بھی صحیح نہین "انکار نہین ہو سکتا" چاہئے،

لیکن اون کی پختہ گوئی کے مقابلہ مین یہ خامیان بالکل بے حقیقت ہین، اور مین نے انکا اظہار صرف اسلئے کر دیا ہے کہ تنقید کا یہ پہلو نظر انداز نہ ہونے پائے، ورنہ لفظی اور معنوی دونون حیثیتون سے اون کا کلام داغ، امیر، جلال، اور شعرائے دورِ جدید کے محاسنِ کلام کا ایک نہایت معتدل مجموعہ ہے، اور اون کے جو معائب ہین، اون سے اونھون نے قطع نظر کر لی ہے، ہم کو یقین ہے کہ اس زمانے کے سنجیدہ مذاق اہلِ نظر اوسکو دلچسپی سے پڑھین گے،

"ع"

فہرستِ عربی مخطوطاتِ انڈیا آفس لائبریری

مرتبۂ سی، اے، اسٹوری، صفحات ۹۵، تقطیع کلان، مطبوعہ اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، قیمت ۱۲ شلنگ ۶ پنس

انڈیا آفس لائبریری مین عربی کی قلمی کتابون کا جو ذخیرہ ہے، اُس مین سے یہ فہرست جو سلسلہ کی دوسری جلد ہے، صرف قرآنی نسخون اور تفسیرون اور متعلقاتِ علومِ قرآنی پر مشتمل ہے، اسمین (۱۹۶) نسخون کا ذکر ہے، ان مین سے (۲۷) پورے قرآن یا مختلف سورون کے نسخے ہین، لیکن ان مین سے کوئی اہم نسخہ نہین، بجز اس کے کہ ایک نسخہ جو ہندوستان کے اکبری عہد مین لکھا گیا ہے بحیثیت اسکے کہ ایک مغنی عرب نے اس عہد کے ایک ہندو امیر کے لیے لکھا ہے،

ایک خاص ندرت رکھتا ہے، اس نسخہ کے خاتمہ مین ہے،

وقع الفراغ من کتابة ھذا الکتاب العزیز الذی لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه، بخط عبد الضعیف النحیف الحقیر الراجی الی رحمة ربه الاکبر لقد بن احمد الانصاری المدنی ثم سنالی (؟) . . . . . شعبان ۹۹۹ھ حق وملک رای رایان رای پتر داس . . . . . در عہد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی خلد الله،

یہ نسخہ بیچ سے شکستہ اور دریدہ ہے، یہ ۱۸۵۸ء مین لکھنؤ کے غدر کی لوٹ مین جنرل فرینکس کے کسی ای ڈی سی کے ہاتھ لگا تھا، اور وہان سے یہ انڈیا آفس کے کتبخانہ مین داخل ہوا،

اس فہرست کی اکثر کتابین، ہندوستان مین لکھی گئین اور یہین کی پیداوار ہین، اور یہین سے انگلستان کو منتقل ہوئی ہین،

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

قرآن پاک کی متفرق سورتون کا ایک عجیب و غریب نسخہ ہندوستان کے بجائے چین کی یادگار ہے، یہ چین کی لڑائی مین انگریز سپہ سالار کے ہاتھ آیا تھا، اسمین مختلف متفرق سورتون کے اقتباسات چینی ترجمہ کے ساتھ ہین،

کتب تفسیر تمامتر یہی معالم التنزیل، کشاف، بیضاوی و مدارک اور اس کے حواشی ہین، تاہم ایک شیعی تفسیر تفسیر سلمی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے، جس کا دوسرا مشہور نام تفسیر عیاشی ہے، مصنف کا نام ابو نصر محمد بن مسعود بن محمد بن عیاش السلمی السمرقندی ہے، جو چوتھی صدی ہجری مین تھے،

الکشف والبیان جس کا مشہور نام تفسیر ثعالبی، اور جو ابو اسحاق احمد بن محمد ثعالبی نیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ کی روایتی تفسیر ہے، اس کے متفرق اجزا ہین،

ایک اور تفسیر کا ناتمام نسخہ قابلِ ذکر ہے، یہ اس نسخہ کے ایک ورق پر امام محمد غزالی کے بجائے امام احمد غزالی کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس ناتمام نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے شروع مین علوم تفسیر پر ایک مقدمہ ہے، مگر افسوس ہے کہ یہ نسخہ ناتمام ہے، سورۂ یوسف کی ایک تفسیر ہے جو امام غزالی کی طرف منسوب ہے، ایک رسالہ القسم الالٰہی بالاسم الربانی امام ابن عربی کا ہے، جسمین انھون نے ان پانچ آیتون کی تفسیر کی ہے جنمین خدا نے اپنی آپ قسم کھائی ہے،

الجامع لاحکام القرآن معروف بہ تفسیر قرطبی کے ٹکڑے بھی ہین، اس تفسیر کا بہترین نسخہ ہمارے ندوۃ العلماء کے کتبخانہ مین ہے،

بیضاوی کے حاشیون مین ایک حاشیہ علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی کا ہے، آخر مین قرأت و تجوید کی چند کتابین ہین،

فہرست کے اڈیٹر مسٹر اسٹوری ہندوستان مین اس حیثیت سے پہلے سے روشناس ہین، کہ وہ علیگڈھ کالج مین ایک زمانہ مین عربی کے پروفیسر رہ چکے ہین، مسٹر اسٹوری اب مدت سے انڈیا آفس کے کتبخانہ کے ناظر ہین، فہرست مین اختصار کے ساتھ انھون نے نسخہ کا حال لکھا ہے، اور مصنفین کے احوال کے پے پہلی فہرستون کا حوالہ دیا ہے، اور کہین کہین خود بھی انھون نے کتابون کے حوالے دیدیئے ہین، "س"

مطبوعاتِ جدیدہ

اسمار الاسرار (فارسی) مصححہ جناب سید عطا حسین صاحب ایم اے، ناظم تعمیرات حیدر آباد دکن، حجم ۱۷۰ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ للعہ، دوم ے (سکۂ عثمانی) پتہ:- کتب خانہ تجارتی اعظم پریس چار مینار، حیدر آباد دکن،

حضرت خواجہ ابو الفتح سید محمد حسینی گیسو دراز رح کی مشہور تالیف اسمار الاسرار اہل علم و صوفیہ کے حلقون مین معروف ہے، جناب مولوی عطا حسین صاحب ایم اے شکریہ کے مستحق ہین، کہ اونھون نے اوسکو پہلی مرتبہ طبع کرایا، موصوف نے اس نسخہ کو ا[illegible] مختلف قلمی نسخون اور مختلف حامل المتن شرحون سے تصحیح و مقابلہ کے بعد تحشیہ کے ساتھ شایع کیا ہے اور ابتدا مین ایک م[illegible] ثبت کیا ہے اور جا بجا اوسکی شرحون سے ضروری تعلیقات بھی منسلک کردئے ہین، کتاب اہلِ ذوق مین پہلے سے مقبول ہے امید ہے کہ اہلِ ذوق اور اربابِ تصوف اس سے فائدہ اوٹھائین گے،

نفسیاتِ عنفوانِ شباب، مترجمہ جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی شایع کردہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ دہلی حجم ۲۰۴ صفحے، قیمت ے ر

جدید فلسفہ کے شعبۂ نفسیات نے اس سرعت سے ترقی کی کہ رفتہ رفتہ یہ خود ایک فن قرار پاگیا، اور نفسیات کے ساتھ مختلف اضافتون سے اہلِ فکر کے لئے نئے نئے ابواب غور و فکر کے لئے نکل آئے، برلن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈ[illegible] ایڈوارڈ اشپرنگر نے اس سلسلہ مین نفسیات عنفوانِ شباب پر اپنے تجربون اور تخیلات کو اسی عنوان سے اپنی ایک تالیف مین قلم بند کیا ہے اور یہ اردو کی خوش قسمتی ہے کہ پروفیسر موصوف کے ایک لائق شاگرد، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے [illegible] تالیف کو مصنف کے مشورہ سے براہ راست جرمنی زبان سے اردو مین مصنف کے ہدایات کے مطابق منتقل کیا، اور مترجم [illegible]

کی استدعا پر مصنف نے اس اردو اڈیشن کے لئے چند کلمات ہندوستان کو مخاطب کرکے لکھے، کتاب چند ابواب مقصد و منہاج "عنفوانِ شباب کی مجموعی نفسی سیرت" اور "نوجوانون کی تخیلی زندگی" وغیرہ ہین اور پھر اسی طرح نوجوانون کا عشق اون کے نفسانی خواہشات عشق اور نفسانی خواہشات، نوجوانون کا تعلق سوسائٹی سے اور پھر نوجوانون کی اخلاقی اور مذہبی نشو و نما نوجوان اور سیاست اوسکے پیشے اور اوس کا علم اور تصور کائنات وغیرہ کتاب کے مستقل ابواب ہین کتاب اگرچہ فلسفہ سے متعلق ہے لیکن ترجمہ کی روانی اور سلاست اور نفس موضوع کے لحاظ سے اکثر جگہ دلچسپ ہے، اور جہان فلسفہ کے اشکال ہین وہ مترجم کے فاضلانہ مقدمہ اور مصنف کے چند ابتدائی ابواب کو نظرِ تعمق کے پڑھنے کے بعد خود بخود دور ہوجاتے ہین کتاب کا مطالعہ ہشیار طلبۂ کالج اور اساتذہ سب کیلئے یکسان مفید ہے،

خادماتِ خلق، مترجمہ جناب سیدہ خاتون صاحبہ مرحومہ ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، حجم ۱۲۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت:- ۱۰ر

جناب خواجہ غلام الثقلین صاحب کی صاحبزادی جناب سیدہ خاتون مرحومہ نے یورپ اور امریکہ کی چند نامور تاریخی خواتین کے مختصر حالات کا ترجمہ اردو مین کیا تھا لیکن اس کی اشاعت کا وقت آنے نہ پایا تھا کہ مرحومہ کی چند روزہ زندگی کا خاتمہ ہوگیا، اب یہ رسالہ بطور ایک انکی ادبی یادگار کے مکتبہ جامعہ ملیہ سے شایع ہوا ہے، ابتدا مین جناب ڈاکٹر عابد حسین صاحب کا ایک تعارف ہے، اور پھر ایسی تو دس خواتین کے سوانح حیات ہین جنھون نے اپنی جانبازی سے اپنے کو فراموش کرکے خدمتِ خلق مین اپنی عمر گذار دی، اور زندۂ جاوید بن گئین، رسالہ کی زبان شگفتہ ہے، رسالہ ہندوستانی خواتین کے مطالعہ کے قابل ہے،

خلفاے اربعہ، از مولانا خواجہ محمد عبد الحی صاحب فاروقی شایع کردہ مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی حجم ۱۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۰ر

خلفائے اربعہ مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، خلفائے راشدین حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ کے سوانح حیات، بچون کے لئے ادبی طریقہ پر مرتب کئے گئے ہین، جیسے کہ رسول عربی وغیرہ مختصر رسالے جامعہ ملیہ سے شایع ہوئے ہین، رسالہ کے مطالعہ سے ان صحابہ کرام کے پاکیزہ سوانح حیات کے ماسوا اس عہد کی مختصر تاریخ بھی بچون سے

ذہن نشین ہوجائیگی،

کتاب التوحید:- تالیف شیخ محمد عبد الوہاب نجدی، مترجمہ مولٰینا محمد سورتی۔

قرولباغ دہلی صفحات ۱۱۰ مع متن، قیمت عہ،

شیخ محمد عبد الوہاب نجدی کا مشہور رسالہ کتاب التوحید چند سال گذرے حکومت نجد و حجاز کی جانب سے شائع ہوا تھا، اب اوسی کا اردو ترجمہ مولانا محمد سورتی نے شائع کیا ہے، ترجمہ کے ساتھ اصل متن بھی درج ہے، جس کی چندان ضرورت نہ تھی، ایک صفحہ کو دو کالم مین تقسیم کرکے ایک کالم میں متن اور دوسرے مین ترجمہ درج کیا ہے، رسالہ کی ابتدا مین شیخ محمد بن عبد الوہاب کے سوانح حیات اور اون کے متن کو اجمالاً پیش کیا ہے کتاب التوحید مین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شیخ موصوف نے اپنے عقیدۂ توحید کو شرح و بسط سے بیان کیا ہی، ترجمہ صاف اور روان ہی،

الفتح المبین والجوہر الحسین، مترجمہ مولوی شیخ صالح باحطاب، حجم ۵۵ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت :- ۸ عازیۃ ایجوکیشنل لائبریری نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن،

مولٰینا شیخ سالم باحطاب، حیدرآباد، دکن نے عربی مین درالثمین فی اصول الشرایعہ وفروع الدین۔ لکھی تھی، موصوف کے لائق خلف جناب مولوی شیخ صالح باحطاب نے اس کا اردو ترجمہ مصنف کی زندگی مین ایک ایک باب کو اونہین دکھا کر کیا، اور اب یہی ترجمہ الفتح المبین والجوہر الحسین کے نام سے شائع ہوا ہے، رسالہ مین مصنف نے سوال و جواب قائم کرکے اولاً عقائد توحید اور اصول دین کو بیان کیا ہے، پھر فقہ شافعی کے بموجب عبادات کا بیان ہے، اس کے بعد فرائض کا تذکرہ ہے، اور خاتمہ کا باب "مبادی نصرت" کے نام سے ہی، اس اردو ترجمہ پر حیدرآباد دکن کے مختلف مشاہیر علما، کی رائین کتاب کے آخر مین درج ہین، اردو مین بالعموم فقہی رسالے فقہ حنفی کے بموجب ملتے ہین، اس رسالہ سے فقہ شافعی کا سرسری مطالعہ ہوجاتا ہی،

"ش"

جلد سی و یک (۳۱)	ماہ شوال المکرم ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۳ء	عدد ۲

مضامین